ماھنامہ

صراطِ مستقیم

برمنگھم

October 2021

وَمَن يَعْتَصِم بِاللَّهِ فَقَدْ هُدِيَ إِلَىٰ صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ

صراطِ مستقیم برمنگھم

Vol: 41 No. 12 October 2021
Safar/Rabi ul awal 1443 AH
جلد: 41 شمارہ: 12 اکتوبر 2021ء
صفر/ربیع الاول 1443ھ

فہرست مضامین

Correspondence Address:
SIRAT-E-MUSTAQEEM
20 Green Lane, Small Heath,
Birmingham B9 5DB
Tel: 0121 773 0019
Fax: 0121 766 8779

ناشر: مرکزی جمعیت اہل حدیث برطانیہ
Markazi Jamiat Ahl-e-Hadith UK
www.mjah.org.uk/siratemustaqeem
E-mail: info@mjah.org.uk



چراغ سے چراغ جلاؤ

محمد حفیظ اللہ خان المدنی

حال ہی میں فلپین سے تعلق رکھنے والے عالمی شہرت یافتہ داعی اور معروف عالم دین شیخ محمد ڈلاہینا طویل علالت کے بعد سعودی عرب کے شہر ریاض میں وفات پاگئے۔إنا لله وإنا إليه راجعون

ان کی وفات سے سعودی عرب کے دینی اور دعوتی حلقوں میں رنج وغم کی لہر دوڑ گئی۔ شیخ محمد نے آج سے تیس سال قبل ریاض شہر کی دعوت آفس واقع البطحاء میں اسلام قبول کیا تھا اور اسی آفس کے تحت انہوں نے اپنی بھرپور دعوتی زندگی کا آغاز کیا۔ انہوں نے اپنی زندگی کا واحد مقصد دعوت الی اللہ کو بنائے رکھا اور شب وروز سعودی عرب میں روزگار کے مقصد سے مقیم غیر ملکیوں میں اسلام کی دعوت کو پہنچانے میں مشغول ہوگئے۔ اللہ تعالی نے ان کی زبان میں اس قدر تاثیر رکھی تھی کہ ان کا بیان سننے والا اور ان کی مجلس میں بیٹھنے والا ہر کوئی ان کا گرویدہ ہو جاتا۔ ان کے خلوص، للّٰہیت، مدلل انداز بیان اور حکمت وموعظت سے بھرپور گفتگو کی بدولت بلا مبالغہ ہر ماہ 50 تا 70 افراد ان کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا کرتے، چنانچہ اللہ تعالی کی توفیق اور ہدایت کی بدولت گزشتہ تیس سالوں میں ان کے ہاتھ پر 30 ہزار سے زائد افراد مشرف باسلام ہوئے۔

بلاشبہ شیخ محمد غیر مسلم حلقوں میں دعوتی میدان کے شہ سوار تھے۔ اسلام کی حقانیت پر گفتگو کرتے تو عقلی اور نقلی دلائل کے انبار رلگا دیتے، اللہ تعالیٰ کے انسانوں پر فضل واحسان بیان کرنے لگتے تو سننے والوں کی سسکیاں نکل جاتیں اور چند لمحوں ان کے دل کی دنیا تبدیل ہو جاتی، تقدیر الٰہی کہ وہ ایک موذی مرض کا شکار ہو گئے۔ مگر اپنی طویل علالت میں بھی جسمانی تکالیف پر حرف شکایت کبھی زبان پر نہیں آیا۔ صبر واستقامت کی نہ صرف ایک زندہ مثال بنے رہے بلکہ ان صبر آزما حالات میں بھی اپنے دعوتی فرائض کو فراموش نہیں کیا اور محض اپنے انتقال سے دو دن قبل ایک غیر مسلم کو اسلام قبول کرنے پر آمادہ کر کے جہنم کی آگ سے بچالیا۔ اللّٰهُمَّ اغفرله وارحمه

ہمارا یہ کہنا بے جا نہ ہو گا شیخ محمد کی شخصیت سعودی عرب کی دینی اور دعوتی خدمات کا ایک واضح اور عملی ثبوت تھے۔

سعودی عرب کی دینی اور دعوتی خدمات تو اظہر من الشمس ہیں، جن کا کوئی انکار نہیں کر سکتا، ان خدمات کا واضح ثبوت دنیا کے بے شمار ممالک میں قائم وہ سینکڑوں اسلامی مراکز، مساجد اور دینی مدارس ہیں جو سعودی حکومت اور اس کے مخیر حضرات کے مخلصانہ مالی تعاون کے رہین منت ہیں، جن کی بدولت سالہا سال سے مسلمانوں اور غیر مسلموں میں دین کی دعوت عام ہو رہی ہے۔ سعودی عرب کی ان دینی خدمات کی بدولت آج برصغیر پاک وہند، افریقی اور یورپی ممالک اور جنوبی وشمالی امریکی ممالک میں قائم کفر وشرک اور بدعات کے ایوانوں پر لرزہ طاری ہے۔ کفر وشرک کی ظلمتیں چھٹ رہی ہیں، توحید اور سنت کی شعائیں ہر چہار جانب دنیا کو منور کر رہی ہیں۔ قرآن وسنت، عقیدۂ توحید اور منہج سلف صالحین کے پیروکاروں میں روز بروز اضافہ ہو رہا ہے۔ خصوصاً نوجوان طبقہ میں دین کی چاہت میلان، قرآن وسنت کی اتباع کا جذبہ اسی دعوت کا شاخسانہ ہے۔ کیونکہ سعودی حکومت کی جانب سے دنیا بھر میں نہ صرف اسلامی مراکز مساجد کا قیام عمل میں لایا گیا، بلکہ ان مراکز کو قرآن وسنت کی دعوت وتبلیغ کے مراکز میں تبدیل کرنے کی غرض سے اسلامی دینی مدارس کے قیام کو بھی اہمیت دی گئی۔ خصوصاً سعودی عرب میں قائم مختلف اسلامی یونیورسٹیز اس کی واضح مثال ہیں، جن میں الجامعۃ الاسلامیہ مدینہ منورہ، جامعۃ الامام محمد بن سعود الاسلامیہ ریاض اور جامعۃ ام القری، مکۃ المکرمہ سرفہرست ہیں۔

مذکورہ جامعات سالہا سال سے ان مراکز اور مساجد کے لیے ایندھن فراہم کرنے کا کام کر رہے ہیں۔ ان جامعات سے فارغ ہونے والے مختلف ممالک کے طلباء اپنے اپنے ملکوں میں سعودی تعاون سے قائم مرکز کے ساتھ منسلک ہو کر قرآن وسنت کی تعلیمات کو عام کرنے میں مشغول ہیں۔ سعودی عرب کی یہ جامعات درحقیقت سورۃ التوبہ کی آیت نمبر 122 ﴿فَلَوْلَا نَفَرَ مِن كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَائِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّينِ وَلِيُنذِرُوا قَوْمَهُمْ إِذَا رَجَعُوا إِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُونَ﴾ کی عملی تفسیر ہیں۔ یہ وہ جامعات ہیں، جہاں 65 سے زائد ممالک سے تعلق رکھنے والے زیر تعلیم طلبہ کو داعی اسلام کی شکل میں ڈھالا جاتا ہے جو فراغت کے بعد اپنے اپنے ملکوں میں دین کی دعوت کا فریضہ انجام دے رہے ہیں۔ ان کی اکثریت سعودی حکومت کی زیر نگرانی کام کر رہی ہے۔

بلا مبالغہ خیر القرون اور قرون اولیٰ کے بعد شاید ہی ایسی کوئی مثال مل سکتی ہے کہ جس میں کسی حکومت

کی جانب سے قرآن وسنت کی تعلیمات کو عام کرنے کا اس قدر عظیم اہتمام کیا جاتا رہا ہو۔

سعودی عرب کی ان دینی اور دعوتی خدمات کا دائرہ کار صرف بیرونی دنیا تک محدود نہیں بلکہ اندرون ملک بھی سعودی عرب میں مقیم غیر ملکی افراد تک ان کی اپنی زبان میں اسلام کے پیغام کو پہنچانے کی غرض سے حکومت کی جانب سے منظم انداز میں دعوتی سلسلہ جاری ہے۔ اس غرض سے ملک کے بڑے شہروں میں متعدد دعوتی مرکز قائم کیے گئے ہیں۔ جہاں سعودی جامعات سے فارغ دعاۃ اور علماء سعودی حکومت کے زیر اہتمام غیر مسلم افراد میں دین کی دعوت کو ان کی اپنی زبان میں پہنچانے کی سعی فرما رہے ہیں۔

شیخ محمد رحمہ اللہ جیسے کامیاب داعی ان دعوتی مراکز کی جانب سے کی جانے والی دعوتی سرگرمیوں کے حوالے سے ایک واضح مثال ہیں۔ ان کی شخصیت سے واضح ہوتا ہے کہ سعودی عرب میں اسلام قبول کرنے والوں کو ان کے رحم وکرم پر چھوڑا نہیں جاتا۔ بلکہ ان کے لیے دینی دعوتی اور علمی تربیت کے مختلف مواقع فراہم کیے جاتے ہیں۔ مختلف لیکچرز، دروس اور دعوتی ورکشاپس کے ذریعہ ان کے اندر دین سے محبت اور تعلق کو مضبوط کیا جاتا ہے۔ ان کے ذہنوں میں پیدا کرنے والے شکوک وشبہات کو دور کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ یہاں تک کہ ان نو مسلموں کی اکثریت نہ صرف علمی حیثیت سے لائق وفائق ہو جاتی ہے۔ بلکہ وہ خود ایک داعی الی اللہ کی شکل میں ابھر کر اپنی ہم قوم کے افراد تک اس دین کی دعوت کو پہنچانے کا فریضہ سرانجام دے کر چراغ سے چراغ جلا رہے ہیں۔

ان میں کئی ایسے داعی ہیں جو اندرون اور بیرون ملک اپنی شخصیت میں ایک ادارہ ایک کاررواں کی شکل اختیار کر چکے ہیں۔

ان کی کوششوں سے خصوصاً افریقی ممالک میں قبائل کے قبائل بستیوں کی بستیاں جوق در جوق اسلام میں داخل ہو رہی ہیں۔ ان کے اخلاص اور للٰہیت کی وجہ سے ہر بستی اور ہر شہر میں قرآن وسنت پر مبنی منہج سلف کے مطابق مساجد اور مدارس میں اضافہ ہو رہا ہے۔ جن سے ہزاروں طلباء اور طالبات مستفید ہو رہے ہیں۔

بہر کیف یہ ہیں سعودی عرب کی وہ حسنات جاریہ کہ جن کی جانب عموماً ہماری نگاہ نہیں جاتی کہ جن کی مساعی جمیلہ سے آج بھی یہ دین اپنی حقیقی شکل میں نہ صرف باقی ہے اور روز بروز تیزی سے پھیلتا جا رہا ہے۔

مذکورہ چند سطور ہمارے ان بھائیوں کے لیے ہیں جن کا وطیرہ ہمیشہ سے سعودی حکومت اور اس کی عوام میں نقائص تلاش کرنا، ان کا نمایاں کر کے پیش کرنا، اپنی تقریر وتحریر کا موضوع بنا کر سعودی عرب کے محاسن پر پردہ ڈالنا رہا ہے۔ ہم نے یہاں کچھ پیش کیا ہے، اولاً وہ مشتے نمونہ از خروارے ہے وگرنہ سعودی حکومت کی دینی ودعوتی خدمات کے لیے کئی مجلات بھی کافی نہیں۔

نیز وہ محض ہوائیاں نہیں بلکہ زمینی حقائق ہیں۔ شرط یہ ہے کہ ہمیں دیکھنے والی نگاہیں میسر جائیں۔

☆☆☆

سعودی عرب کی ان دینی اور دعوتی خدمات کا دائرہ کار صرف بیرونی دنیا تک محدود نہیں بلکہ اندرون ملک بھی سعودی عرب میں مقیم غیر ملکی افراد تک ان کی اپنی زبان میں اسلام کے پیغام کو پہنچانے کی غرض سے حکومت کی جانب سے منظم انداز میں دعوتی سلسلہ جاری ہے۔ اس غرض سے ملک کے بڑے شہروں میں متعدد دعوتی مرکز قائم کیے گئے ہیں۔ جہاں سعودی جامعات سے فارغ دعاۃ اور علماء سعودی حکومت کے زیر اہتمام غیر مسلم افراد میں دین کی دعوت کو ان کی اپنی زبان میں پہنچانے کی سعی فرما رہے ہیں۔

اسلام کی عمارت گرا دینے والے امور

سیدنا زیاد بن حُدَیر رحمہ اللہ کہتے ہیں:

”امیر المومنین عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے مجھ سے پوچھا:

کیا تمھیں معلوم ہے کہ اسلام کی عمارت کو ڈھانے والے امور کون ہیں؟

میں نے عرض کیا: جی میں نہیں جانتا،

فرمایا:

” عالم کی لغزش؛ منافق کا قرآن کے ذریعے جھگڑنا ؛اور گم راہ لیڈروں اور پیشواؤں کے فیصلے ، وہ امور ہیں جو قصرِ اسلام کو زمین بوس کر دیتے ہیں۔“

(سنن دارمی:220)

صحیح معنوں میں عالم کون؟

ایک عالم صحیح معنوں میں عالم کہلانے کا مستحق نہیں ہے جب تک کہ اس میں تین خصلتیں نہ پائی جائیں:

ایک یہ کہ وہ علم میں اپنے سے کم تر کو حقیر نہ جانے۔

دوسری یہ کہ خود سے برتر صاحبِ علم سے حسد نہ کرے۔

تیسری یہ کہ اپنے دینی عمل پر دنیا کا طالب نہ ہو۔“(امام ابو حازم رحمہ اللہ)



سورۂ حشر کے تناظر میں امریکہ کا حشر افغانستان میں

محمد عبد الہادی العمری

30/31 اگست کی درمیانی شب جب دنیا کے سوپر پاور کا آخری فوجی جرنل افغانستان سے روانہ ہوا تو افغانی سرزمین سے انخلاء کا عمل سرکاری طور پر مکمل ہو گیا اور ملک 20 سال کے امریکی قبضہ کے بعد اصلی باشندوں کے ہاتھوں میں واپس آ گیا، یوں افغان سرزمین دنیا کی دو بڑی طاقتوں کے لیے موت کا کنواں ثابت ہوئی، نہتے افغانیوں نے اپنی بے سروسامانی کے باوجود طاقت ور ترین ممالک کو دھول چٹا دی:

﴿كَم مِّن فِئَةٍ قَلِيلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيرَةً بِإِذْنِ اللَّهِ﴾ (سورۃ البقرۃ:249)

اس ذلت آمیز شکست اور بدترین رسوائی پر دانشور حیران ہیں۔ مختلف ماہرین عالمی اخبارات اور میڈیا پر جو تبصرے اور اظہار خیال کر رہے ہیں، ان سب کے درمیان اس نکتہ پر تقریباً اتفاق پایا جاتا ہے کہ امریکہ کے لیے یہ رسوا کن شکست ہے اور پھر یہ سوالات بھی جنم لے رہے ہیں کہ امریکہ وہاں گیا کیوں تھا؟! جس مقصد کے لیے گیا اگر واقعی کوئی مقصد تھا تو کیا وہ حاصل ہو سکا!!

یہ سوال خود اپنے آپ میں جواب بھی ہے، کیونکہ فتح وکامرانی کے متعلق استفسار واستفہام کی ضرورت پیش نہیں آتی۔

”آفتاب آمد دلیل آفتاب“

طالبان جو خالص مشرقی وضع قطع، جبہ، شلوار، عمامہ اور بھرپور داڑھی جن کا شمار عموماً قدامت پسند، غیر ترقی یافتہ اور پسماندہ، لوگوں میں کیا جاتا ہے، ان ہی اوصاف سے متصف افغانیوں نے دور حاضر کی نہایت ترقی یافتہ، سپر پاور دو ممالک کو شکست فاش دے کر ثابت کر دیا ہے کہ

ہم کو مٹا سکے یہ زمانہ میں دم نہیں
ہم سے زمانہ خود ہے زمانہ سے ہم نہیں

امریکی صدر نے اس مناسبت سے جو بیانات دیے وہ باہمی تضادات اور ان کی بے بسی کی تصویر پیش کر رہے تھے، ان کی کچھ باتیں ملاحظہ فرمائیں:

انہوں کہا: میں اپنی فوج اور خفیہ اداروں انٹیلی جنس سروز کی شاندار خدمات پر مبارکباد پیش کرتا ہوں۔

دوسری طرف خود ہی کہہ رہے ہیں کہ دنیا کی انتہائی تربیت یافتہ فوج، اعلیٰ ترین جنگی ٹیکنالوجی، سامان حرب وضرب کی ریل پیل اور مخابرات خفیہ سروس کے اعلیٰ ترین انتظامات کے باوجود افغانستان کے حالات اس تیزی سے بدلیں گے، ہمیں اندازہ نہیں تھا، ہم نے 3 لاکھ افغانی فوج کو تربیت دی، لیکن وہ طالبان کے آگے ریت کی دیوار ثابت ہوئے۔

ہم وہاں حکومت کرنے یا طویل مدت کے لیے قیام کی غرض سے نہیں گئے تھے بلکہ ہمارا مقصد مقامی جنگجوؤں کو ختم کرنا، داعش اور آئی یس آئی یس، القاعدہ تنظیموں کا صفایا اور اسامہ بن لادن کو کیفر کردار تک پہنچانا تھا، یہ ہم نے حاصل کر لیا۔ اگر یہ سب کچھ حاصل کر لیا تو پھر یہ پریشانی کیوں کہ کہیں دوبارہ القاعدہ یا داعش جیسی تنظیموں کو موقع نہ ملے اور کہیں انتہاء پسند افغانستان کو پھر سے اپنا بیس کیمپ نہ بنا لیں۔ ہم نے صدر اشرف غنی پر اعتماد کیا، یہ جانے بغیر کے وہ امریکی مقاصد کو بروئے کار لانے میں کتنا مخلص ہے، شاید اسی کو کہتے ہیں، کھسیانی بلی کھمبا نوچے۔

صدر موصوف مزید فرماتے ہیں کہ ہم دیکھ رہے ہیں کہ طالبان اپنے وعدوں میں کتنے سچے ثابت ہوں گے، اپنے مخالفین کے ساتھ کیا سلوک کرتے ہیں۔

آپ نے ان کے ساتھ جو سلوک کیا، گوانتاناموبے اور بگرام جیلوں میں اس سے وہ برا نہیں کریں گے، حالانکہ وہ بھی انسان تھے جنہیں جانوروں سے زیادہ بری حالت میں رکھا گیا اور اذیت ناک سزائیں دی گئیں جس کی دنیا شاہد ہے۔

پھر کہتے ہیں کہ مجھ سے پہلی حکومت اور صدر نے افغانستان سے انخلاء کی تاریخ مقرر کر دی تھی، مجھے اس پر عمل کرنا تھا، ویسے بھی اس جنگ کو طول دینے کا مطلب امریکی معاشی تباہی اور قومی خزانہ پر ناقابل برداشت بوجھ کا تسلسل، کیونکہ اس جنگ پر تین سو ملین ڈالر یومیہ خرچ ہو رہا تھا۔

یہاں بجا طور پر یہ سوال بھی پیدا ہوتا ہے کہ اتنی بھاری رقم کہاں خرچ ہوتی رہی، ملکی تعمیر میں تو اس کے اثرات دکھائی نہیں دیتے، ان کی تہذیب اور مذہبی رجحانات کو کمزور کرنے کی مہم پر اس کا زیادہ حصہ شاید خرچ ہوا ہو گا، آخری دنوں میں کابل ہوائی اڈہ پر جو انسانی ہجوم ٹوٹ پڑا، ان میں بیشتر وہ لوگ تھے جو غیر ملکی افواج کے لیے مترجمین یا سہولت کار کی خدمات انجام دے رہے تھے۔ ان ہی کے متعلق صدر صاحب نے کہا کہ ہم نوے فیصد وفاداروں کو نکالنے میں کامیاب رہے، باقی ماندہ 10 فیصد کے ساتھ امید کرتے ہیں کہ طالبان ہمدردی کا مظاہرہ کریں گے۔

فتح وکامرانی کا جھنڈا بلند کرتے ہوئے یہی کچھ افغانی

چہرے ثالثی کا کردار ادا کرنے کے لیے نمودار ہوئے جو امریکی قبضہ کے دوران اعلیٰ عہدوں سے مستفید ہوتے رہے، لیکن ان خرقہ پوش مجاہدین نے ان موسمی سیاستدانوں کو درخور اعتناء ہی نہیں سمجھا گویا ان کی حیثیت بن بلائے مہمان سے زیادہ نہیں، لہٰذا ہمیں آپ کے تجربات نوازشات اور ہمدردیوں کی چنداں ضرورت نہیں، ایسے ہی ابن الوقتوں سے چوکنا رہنے کی ضرورت ہے۔

مدینہ منورہ کے اطراف واکناف میں یہودیوں کی کچھ بستیاں بنو نضیر، بنو قینقاع اور بنو قریظہ وغیرہ آباد تھیں جو مسلمانوں کے خلاف ہر طرح کی ریشہ دوانیاں کرتے رہتے، ان کا سردار کعب بن اشرف جو ایک شاعر اور صاحب اثر ورسوخ دولتمند شخص تھا، اس نے ہر موقع پر رسول اللہ ﷺ کے خلاف ایذا رسانی کی کوشش کی حتیٰ کہ آپ ﷺ کو جان سے مار ڈالنے کی بھیانک سازش رچی، اور مسلمانوں کے خلاف دھوکہ دہی اور عہد شکنی کے مرتکب ہوئے۔ جو معاہدہ کیا گیا تھا، اس کی خلاف ورزی کی، اس فتنہ کی سرکوبی کے لیے رسول اللہ ﷺ اپنے صحابہ کے ساتھ ہجرت کے چوتھے سال جب وہاں تشریف لے گئے یہودی اپنے علاقہ کے قلعوں میں محصور ہو گئے تاکہ یکبارگی مقابلہ اور حملہ سے محفوظ رہیں، آپ ﷺ نے ان کے اس پلان کو ناکام بنانے کی غرض سے علاقہ کا محاصرہ کرتے ہوئے ناکہ بندی کر دی جو ان کے لیے سخت پریشانی کا سبب بن گئی۔

مزید تفصیلات میں گئے بغیر کہ انہوں نے ملک کو کتنا بنایا اور بگاڑا، یہ بات غور طلب ہے کہ دنیا کے ترقی یافتہ ملک کے اعلیٰ ترین فوجی کابل سے روانہ ہوتے ہوئے انہوں نے ایئرپورٹ کو بھی اپنے ہاتھوں سے ایسے برباد کیا کہ از سرنو تعمیر کے بغیر وہ قابل استعمال بھی نہ رہے، تباہی وبربادی کے اس منظر کو دیکھ کر سورۃ الحشر کا پس منظر آنکھوں کے سامنے گھومنے لگا۔

جس کا خلاصہ یہ ہے کہ مدینہ منورہ کے اطراف واکناف میں یہودیوں کی کچھ بستیاں بنو نضیر، بنو قینقاع اور بنو قریظہ وغیرہ آباد تھیں جو مسلمانوں کے خلاف ہر طرح کی ریشہ دوانیاں کرتے رہتے، ان کا سردار کعب بن اشرف جو ایک شاعر اور صاحب اثر ورسوخ دولتمند شخص تھا، اس نے ہر موقع پر رسول اللہ ﷺ کے خلاف ایذا رسانی کی کوشش کی حتیٰ کہ آپ ﷺ کو جان سے مار ڈالنے کی بھیانک سازش رچی، اور مسلمانوں کے خلاف دھوکہ دہی اور عہد شکنی کے مرتکب ہوئے۔ جو معاہدہ کیا گیا تھا، اس کی خلاف ورزی کی، اس فتنہ کی سرکوبی کے لیے رسول اللہ ﷺ اپنے صحابہ کے ساتھ ہجرت کے چوتھے سال جب وہاں تشریف لے گئے یہودی اپنے علاقہ کے قلعوں میں محصور ہو گئے تاکہ یکبارگی مقابلہ اور حملہ سے محفوظ رہیں، آپ ﷺ نے ان کے اس پلان کو ناکام بنانے کی غرض سے علاقہ کا محاصرہ کرتے ہوئے ناکہ بندی کر دی جو ان کے لیے سخت پریشانی کا سبب بن گئی۔ محاصرہ کے چند دن بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے جنگی مصلحت سے ان کے کھجور کے کچھ درختوں کو آگ لگا دی اور یہی کھجور کے باغات ان کا سرمایہ تھے اور یہودی نفسیاتی طور پر جان جائے جہاں نہ جائے کے قائل رہے ہیں، شاید اسی لیے آج بھی انگریزی بول چال اور عرف عام میں بخیل کو جیو کہا جاتا ہے، بہر حال یہ جنگی حکمت عملی کامیاب رہی وہ مصالحتی گفتگو کیلئے تیار ہو گئے، آپ ﷺ نے ان کے لیے یہ بنیادی شرط رکھی کہ وہ بدعہدی کے مرتکب ہوئے، لہٰذا علاقہ چھوڑ کر خیبر کی طرف کوچ کر جائیں، ان کے جرائم اور کرتوت کے لحاظ سے اس کو تسلیم کیے بغیر ان کے لیے چارہ نہیں تھا، وہ آمادہ ہو گئے، آپ ﷺ نے ان کے ساتھ یہ ہمدردی فرمائی کہ گھر بار چھوڑتے ہوئے اپنا ضروری سامان جو لے جا سکتے ہیں لے جائیں، اس کے لیے یہ پیمانہ مقرر کر دیا گیا کہ ایک اونٹ جتنے بوجھ کا متحمل ہو سکتا ہے وہ اپنے ساتھ لے جائیں، اس رعایت کے مطابق اونٹوں پر جس قدر سامان لادا جا سکتا تھا وہ تو انہوں نے رکھ لیا یہاں تک کہ بعض لوگوں نے گھروں کے دروازے اور چھتوں کی لکڑیاں بھی ساتھ لے جانے کی کوشش کی اور جو چیزیں نہیں لے جا سکتے تھے اس کی توڑ پھوڑ کرتے ہوئے اپنے ہی گھر بار کو اپنے ہاتھوں سے ایسے اجاڑنے لگے کہ بعد میں کسی کے کام نہ آ سکے، پہلے وہ خیبر کی طرف گئے پھر عہد فاروقی میں وہاں سے آگے شام کی جانب انہیں دھکیل دیا گیا۔ پڑھیے سورۃ الحشر کے ایک ایک جملہ پر غور کرتے ہوئے:

﴿هُوَ الَّذِي أَخْرَجَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ مِن دِيَارِهِمْ لِأَوَّلِ الْحَشْرِ ۚ مَا ظَنَنتُمْ أَن يَخْرُجُوا ۖ وَظَنُّوا أَنَّهُم مَّانِعَتُهُمْ حُصُونُهُم مِّنَ اللَّهِ فَأَتَاهُمُ اللَّهُ مِنْ حَيْثُ لَمْ يَحْتَسِبُوا ۖ وَقَذَفَ فِي قُلُوبِهِمُ الرُّعْبَ ۚ يُخْرِبُونَ بُيُوتَهُم بِأَيْدِيهِمْ وَأَيْدِي الْمُؤْمِنِينَ فَاعْتَبِرُوا يَا أُولِي الْأَبْصَارِ﴾ (سورۃ الحشر: 2)

"وہی ہے جس نے اہل کتاب کافروں کو پہلے ہی حملے میں اُن کے گھروں سے نکال باہر کیا تمہیں ہرگز یہ گمان نہ تھا کہ وہ نکل جائیں گے، اور وہ بھی یہ سمجھے بیٹھے تھے کہ اُن کی گڑھیاں انہیں اللہ سے بچا لیں گی مگر اللہ ایسے رخ سے اُن پر آیا جدھر اُن کا خیال بھی نہ گیا تھا اُس نے اُن کے دلوں میں رعب ڈال دیا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ خود اپنے ہاتھوں سے بھی اپنے گھروں کو برباد کر رہے تھے اور مومنوں کے ہاتھوں بھی برباد کروا

رہے تھے پس عبرت حاصل کرواے دیدہ بینا رکھنے والو!۔"

قرآن کریم سرچشمہ ہدایت اور کتاب رہنما ہے، قیامت تک یہ کتاب رہنمائی فراہم کرتی رہے گی، جب ہم اس ہدایت نامہ ربانی کو پڑھیں تو اپنے حالات پر بھی اس کو چسپاں کریں، کیونکہ کل کے لوگوں کے مسائل کا حل جس کتاب مبین سے رشتہ استوار کرنے میں مضمر تھا، آج پیاسی دنیا کو اسی چشمۂ صافی سے سیر ابی ہو سکتی ہے۔

سورۃ الحشر کی آیت مذکورہ کے بعد آیت نمبر 14 بہت غور طلب ہے:

﴿ بَأْسُهُم بَيْنَهُمْ شَدِيدٌ ۚ تَحْسَبُهُمْ جَمِيعًا وَقُلُوبُهُمْ شَتَّىٰ ﴾(سورۃ الحشر:14)

"بظاہر یہود مسلم دشمنی میں متحد دکھائی دیتے ہیں لیکن حقیقت میں ان کے دل پھٹے ہوئے اور منتشر ہیں، یہودیوں کی باہمی منافرت مشہور تھی اور آج ناٹوNatoمیں شامل مختلف مغربی ممالک کی یہی کیفیت ہے، بظاہر اسلام دشمنی میں متحد دکھائی دیتے ہیں لیکن آپس میں منقسم امریکہ کو مورد الزام ٹھہرا رہے ہیں کہ ان کی غلط پلاننگ اور ایک طرفہ فیصلہ کے باعث سب کو اس ذلت وہزیمت سے دوچار ہونا پڑا ہے اور مزید افغانیوں کا بوجھ ہمیں برداشت بھی کرنا پڑے گا اور دوسری طرف امریکی صدر اپنی بے بسی کا اظہار کر رہے ہیں کہ انخلاء کا فیصلہ اور تاریخ کا تعین پچھلی حکومت میں کیا گیا، مجھے اس فیصلہ کو صرف نافذ کرنا تھا۔

ایک طرف امریکی فوجیوں کے ہاتھوں اجڑے ہوئے کابل کا دنیا نے مشاہدہ کیا اور دوسری طرف طالبان جنہوں نے اپنی کامیابی کا علم بلند کرتے ہوئے جو مثبت اعلانات کیے اس سے اچھی امیدیں وابستہ ہو گئیں کہ انہوں نے عام معافی کا اعلان کر کے بہترین شروعات کیں، اپنے بیانات میں عفو و درگزر کے علاوہ خواتین کے حقوق، اظہار رائے اور شخصی آزادی کے متعلق بھی مناسب باتیں کیں، اسی کے پیش نظر بجا طور پر ہم امید کرتے ہیں کہ مسلکی رجحانات میں تعصب سے بالاتر ہو کر وسعت ظرفی کا مظاہرہ کریں گے کیونکہ اس خطہ میں فقہ حنفی کے حق میں تعصب کی فضا اتنی مسموم ہے کہ عموماً وہ دوسرے نقطہ نظر کو ناقابل معافی جرم سمجھتے ہیں یہی وہ جغرافیائی پٹی ہے جہاں سے فقہ حنفی کے پیروکاروں میں شدید تنگ نظری اور مسلکی سختی کے رجحانات پروان چڑھتے رہے، یہی وہ ذہن ہے جس میں کہا جاتا ہے کہ "مارا از حدیث چہ کارگر قول امام داری بیا" کہ ہمیں حدیث سے کیا سروکار اگر امام کا قول ہو تو بطور دلیل پیش کرو، ہم امید کرتے ہیں کہ فقہی مسائل میں بھی طالبان رواداری کی پالیسی اپنائیں گے، اس فتح و کامرانی کو ملکی تعمیر وترقی کا ذریعہ بنائیں گے، سیکولر اور لادین تہذیب کے مقابلہ میں اعلیٰ ترین اسلامی اقدار کا نمونہ پیش کریں گے۔ مختلف شعبہ ہائے زندگی میں ماہرین فن سے استفادہ کریں گے۔

دعا ہے کہ اللہ رب العالمین حقیقی کامیابی نصیب فرمائے اور قرآن وسنت کی تعلیمات پر ثابت قدمی کی توفیق بخشے۔

☆☆☆

دختر اسلام

تو گر ذوقِ طلب اپنا بڑھا لیتی تو اچھا تھا
تو نقش غیریت دل سے مٹا لیتی تو اچھا تھا
ترا وہ مالک ومولا جو ہے روٹھا ہوا تجھ سے
کسی صورت اسے پھر تو منا لیتی تو اچھا تھا
تری آغوش میں کھلتے ہیں جو معصوم گل بوٹے
انہیں شبیر اور شبر بنا لیتی تو اچھا تھا
سمجھ لیتی تو اچھا تھا زمانے کے اشارں کو
درندوں سے رخِ زیبا چھپا لیتی تو اچھا تھا
ذرا سی بات پر آنسو بہانا تجھ کو آتا ہے
رہ حق میں لہو بھی کچھ بہا لیتی تو اچھا تھا
یہ اچھا تھا کہ پھر تو سینچ کر خونِ رگ جاں سے
خدا کے دین کا گلشن سجا لیتی تو اچھا تھا
یہ اچھا تھا کہ تو قرآن کا مقصد سمجھ لیتی
تو اپنا گوہر مقصود پا لیتی تو اچھا تھا
ترا زیور جو ہے شرم وحیا ایماں ترا جھومر
اسی سے اپنی زینت تو بڑھا لیتی تو اچھا تھا
جو تیرا رب بھی ہے خالق بھی ہے فرماں روا بھی ہے
اسے تو خانۂ دل میں بٹھا لیتی تو اچھا تھا
جگا کر طبقہ نسواں کو پھر خواب تغافل سے
خدا کو دختر اسلام پا لیتی تو اچھا تھا
فقط اللہ سے تو لو لگا لیتی تو اچھا تھا
تو حماد دعا گو کی دعا لیتی تو اچھا تھا

حضرت ابوالبیان حماد عمری



ایک حدیث قدسی میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

«خَلَقْتُ عِبَادِي حُنَفَاءَ كُلَّهُمْ، وإِنَّهُمْ أَتَتْهُمُ الشَّيَاطِينُ فَاجْتَالَتْهُمْ عن دِينِهِمْ، وَحَرَّمَتْ عليهم ما أَحْلَلْتُ لهمْ، وَأَمَرَتْهُمْ أَنْ يُشْرِكُوا بي ما لَمْ أُنْزِلْ به سُلْطَانًا»

(مسند احمد؛ صحیح مسلم)

"میں نے اپنے تمام بندوں کو اس حالت میں پیدا کیا کہ وہ شرک سے منہ موڑنے والے تھے، لیکن ان کے پاس شیاطین آئے جنہوں نے انھیں ان کے دین سے دور کر دیا۔ اور انھوں نے ان کیلئے وہ چیز حرام کر دی جسے میں نے حلال کیا تھا۔ اور انھیں حکم دیا کہ وہ میرے ساتھ اس چیز کو شریک بنائیں جس کی میں نے کوئی دلیل نہیں اتاری۔"

یہ خوف کیوں نہ ہو جبکہ رسول اللہ ﷺ نے امت کے سب سے افضل لوگوں یعنی صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو خطاب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا تھا:

« إِنَّ أَخْوَفَ مَا أَخَافُ عَلَيْكُمْ اَلشِّرْكُ اَلْأَصْغَرُ»

"مجھے تم پر سب سے زیادہ خوف شرکِ اصغر کا ہے۔"

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے پوچھا کہ شرک اصغر کیا ہوتا ہے؟

آپ ﷺ نے فرمایا:

«اَلرِّيَاءُ، يَقُوْلُ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ لِأَصْحَابِ ذَلِكَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ إِذَا جَازَى النَّاسَ: اِذْهَبُوْا إِلَى الَّذِيْنَ كُنْتُمْ تُرَاؤُوْنَ فِيْ الدُّنْيَا، فَانْظُرُوْا هَلْ تَجِدُوْنَ عِنْدَهُمْ جَزَاءً؟» (السلسۃ الصحیحۃ: 951)

"شرکِ اصغر سے مراد ریاکاری ہے۔ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن جب لوگوں کو ان کے اعمال کا بدلہ دے گا تو ریاکاری کرنے والوں سے کہے گا: تم ان لوگوں کے پاس چلے جاؤ جن کے لئے تم ریا کرتے تھے، پھر دیکھو کہ کیا وہ تمہیں کوئی بدلہ دیتے ہیں؟"

بلکہ نبی کریم ﷺ نے پیشین گوئی فرمائی کہ

«أَنَّ فِئَامًا مِّنَ الْأُمَّةِ تَعْبُدُ الْأَوْثَانَ، وَقَبَائِلَ تَلْحَقُ بِالْمُشْرِكِيْنَ»

یعنی "اس امت کے کئی گروہ بتوں کی پوجا کریں گے اور کئی قبیلے مشرکوں سے جاملیں گے۔" (مسند احمد)

اور حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان

﴿ وَلَوْ أَشْرَكُوا لَحَبِطَ عَنْهُم مَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴾ (سورۃ الأنعام: 88)

"اور اگر (بالفرض) یہ حضرات (انبیاء علیہم السلام) بھی شرک کرتے تو ان کے تمام اعمال اکارت ہو جاتے۔"

کے متعلق کہتے ہیں:

" اس آیت میں شرک کے معاملے پر سختی کی گئی ہے اور اس کے حوالے سے سخت موقف اپنایا گیا ہے۔"

اللہ کے بندو! توحید میں خلل کا خوف کیوں نہ ہو اور عبادتِ الٰہی میں نقص کا اندیشہ کیوں نہ ہو اور شرک اور اس کی تمام اقسام اور اس کے اسباب سے کیوں نہ ڈرایا جائے جبکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَمَا يُؤْمِنُ أَكْثَرُهُم بِاللَّهِ إِلَّا وَهُم مُّشْرِكُونَ﴾ (سورۃ یوسف: 106)

"اور ان میں سے اکثر لوگ اللہ پر ایمان کا دعوی تو کرتے ہیں لیکن وہ مشرک ہوتے ہیں۔"

بعض اہلِ علم کا کہنا ہے کہ اس آیت میں اس بات کی دلیل ہے کہ بعض لوگوں کے دلوں میں لاشعوری طور پر شرکِ خفی واقع ہو سکتا ہے، کیونکہ اس طرح کا انسان اگرچہ اللہ کی توحید کا عقیدہ رکھتا ہو تاہم وہ اپنی عبادت اللہ تعالیٰ کیلئے خالص نہیں کرتا اور وہ غیر اللہ کیلئے، یا اپنے کسی دنیاوی مقصد کے حصول کیلئے، یا کسی منصب تک پہنچنے کیلئے، یا لوگوں کے ہاں اونچا مقام حاصل کرنے کیلئے عبادت کرتا ہے۔ یوں اس کی عبادت میں کچھ حصہ اللہ تعالیٰ کیلئے، کچھ حصہ اس کے نفس کیلئے، کچھ شیطان کیلئے اور کچھ مخلوق کیلئے ہوتا ہے جبکہ اللہ تعالیٰ تمام شرکاء سے بے نیاز ہے۔

میرے بھائیو! یہ معاملہ انتہائی خطرناک ہے۔ اور محبت، عبودیت اور خشوع وخضوع میں شرکِ خفی پایا جاتا ہے، کیونکہ جو شخص اپنی محبت، اپنے خشوع وخضوع اور اپنی اطاعت وفرمانبرداری میں غیر اللہ کو شریک بناتا ہے اور جو غیر اللہ کیلئے سرِ تسلیم خم کرتا ہے اس کے بارے میں یہ کیسے کہہ سکتے ہیں کہ اس نے حقیقی توحید کو اختیار کر لیا!

فرمان الٰہی ہے:

﴿وَإِنْ أَطَعْتُمُوهُمْ إِنَّكُمْ لَمُشْرِكُونَ﴾

"اور اگر تم نے ان کی اطاعت کی تو تم بھی مشرک بن جاؤ گے۔" (سورۃ الأنعام: 121)

اور فرمایا:

﴿اتَّخَذُوا أَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ أَرْبَابًا مِّن دُونِ اللَّهِ﴾ (سورۃ التوبۃ: 31)

"انہوں نے اللہ کی بجائے اپنے علماء اور اپنے عابدوں کو معبود بنالیا۔"

یہ خوف اور امید میں شرک ہے۔ اور کہیں جہاد اور

قربانی میں، کہیں وسائل واسباب میں اور کہیں نفع ونقصان میں شرک پایا جاتا ہے....

ذرا غور کرو کہ یہ جادو ٹونا، فال نکالنا، تعویذات اور جھاڑ پھونک، غیر اللہ کی قسمیں اٹھانا، صلحاء کی تعریف میں مبالغہ کرنا، غیر اللہ کو پکارنا، فوت شدگان سے مدد طلب کرنا، مزاروں کا طواف کرنا، پہلے مزاروں پر دعا کرنا پھر مزار والوں سے مانگنا اور مزاروں پر چراغ جلانا، قبروں پر چادریں چڑھانا، پہلے درباروں پر جانور ذبح کرنا، پھر دربار والوں کیلئے جانور ذبح کرنا، قبروں پر تبرک کی نیت سے ہاتھ پھیرنا اور سالانہ عرس منانا یہ سب شرک کی صورتیں نہیں ہیں! لاحول ولاقوۃ إلا باللہ

میرے بھائیو! توحید میں خلل کی ایک جدید شکل اب یہ پیدا ہوگئی ہے کہ اسلام کی طرف نسبت رکھنے والے کچھ لوگ جو کہ جدید ثقافت اور نئی روشنی کا دعوی کرتے ہیں، وہ اللہ کے حکم کو نہیں مانتے اور اس کے سامنے سرِ تسلیم خم نہیں کرتے۔ بلکہ وہ اپنے دلوں میں غصہ، گھٹن اور تنگی محسوس کرتے ہیں۔ اور جب اللہ کی حدود میں سے کوئی حد نافذ کی جاتی ہے تو وہ کانپنے لگ جاتے ہیں، ان کے دلوں میں شدید نفرت پیدا ہو جاتی ہے، کبھی کھڑے ہوتے اور کبھی بیٹھ جاتے ہیں، غصے سے چیختے اور دھمکی دیتے ہیں۔ اور ان کے کچھ دوست انھیں کھینچ کر گمراہی میں پہنچا دیتے ہیں۔ وہ دعوی انسانی حقوق کا کرتے ہیں حالانکہ انسانی حقوق انہی کی وجہ سے اور ان جیسے لوگوں کی وجہ سے ہی ضائع ہوتے ہیں۔

ان کے نزدیک اسلام عورت پر ظلم کرتا ہے اور اس کے حقوق اس کو نہیں دیتا۔ اور شرعی حدود بھی ان کے نزدیک ظلم، بھیانک جرم اور عصر جدید کے تقاضوں کے خلاف ہیں۔ اور اسلام میں جو حکم مرتد کا ہے وہ ان کے نزدیک آزادئ فکر پر لٹکتی ہوئی ایک تلوار ہے۔ اور شریعت کے احکام پر عمل پیرا ہونا ان کے نزدیک رجعیت، تعصب اور اندھیروں کی طرف واپس لوٹنا ہے، بلکہ انھوں نے اسے بھی دہشتگردی تصور کر لیا ہے۔ جبکہ اللہ تعالی کا فرمان ہے:

﴿فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّىٰ يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا﴾

میرے بھائیو! توحید ایک ایسی نعمت ہے کہ جس کے ذریعے بندے کا دل شرک کی تاریکیوں اور اس کی جہالتوں سے نکل کر نورِ ایمان کی طرف آجاتا ہے، انسان گمراہی اور حیرانی سے نکل کر ہدایت اور یقین کی طرف آجاتا ہے اور اسے اطمینانِ قلب نصیب ہوتا ہے۔ وہ مختلف معبودان کے سامنے ذلیل وخوار ہونے کی بجائے ایک ہی معبودِ برحق کا غلام بن جاتا ہے۔

"(اے محمد ﷺ!) آپ کے رب کی قسم! یہ لوگ اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتے جب تک کہ اپنے تنازعات میں آپ کو حَکَم (فیصلہ کرنے والا) تسلیم نہ کر لیں، پھر آپ جو فیصلہ کریں اس کے متعلق یہ اپنے دلوں میں گھٹن بھی محسوس نہ کریں اور اس فیصلہ پر پوری طرح سر تسلیم خم کر دیں۔" (سورۃ النساء: 65)

اللہ اکبر! توحید کو اختیار کرنا ذلیل لوگوں پر انتہائی مشکل ہے اور وہ زبانِ حال سے گویا یوں کہہ رہے ہیں:

﴿أَجَعَلَ الْآلِهَةَ إِلَٰهًا وَاحِدًا ۖ إِنَّ هَٰذَا لَشَيْءٌ عُجَابٌ﴾ (سورۃ ص: 5)

"کیا اس نے اتنے معبودوں کی جگہ ایک ہی معبود بنا دیا، یہ تو بڑی عجیب بات ہے۔"

توحید ان لوگوں پر مشکل ہے جو فساد کو خوشگوار سمجھ بیٹھے ہیں اور جہالت کی دلدل میں پھنس چکے ہیں۔

فرمانِ الٰہی ہے:

﴿وَإِذَا ذُكِرَ اللَّهُ وَحْدَهُ اشْمَأَزَّتْ قُلُوبُ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ ۖ وَإِذَا ذُكِرَ الَّذِينَ مِن دُونِهِ إِذَا هُمْ يَسْتَبْشِرُونَ﴾ (سورۃ الزمر: 45)

"اور جب ایک اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے تو جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے ان کے دل نفرت کرنے لگتے ہیں۔ اور جب اللہ کے سوا غیروں کا ذکر کیا جاتا ہے تو خوشی سے ان کے دل کھل جاتے ہیں۔"

یقینی طور پر یہ لوگ توحید کو نہیں پہچان سکے اور یہ دین کے صاف وشفاف چشمے کی معرفت حاصل نہیں کر سکے، کیونکہ یہ اپنی سوچ وفکر میں دوسروں کے غلام ہیں۔ یہ گویا کافروں اور وحیِ الٰہی کو ناپسند کرنے والوں کو یوں کہہ رہے ہیں کہ ہم تمہاری ہر بات ماننے کیلئے تیار ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ جب ان لوگوں نے توحید کو نہیں پہچانا تو گویا یہ اپنی سوچ وفکر، اپنی شکل وصورت، اپنے نصب العین اور اپنے نظریات کے اعتبار سے امتِ مسلمہ سے ایک الگ گروہ ہیں۔ انہیں باہر (مشرق ومغرب) سے سیاسی، اقتصادی اور معاشرتی حمایت ملتی ہے اور ان کی حالت یہ ہے کہ یہ امتِ مسلمہ کی تاریخ اور اس کی اقدار تک سے ناواقف ہیں!

میرے بھائیو! توحید ایک ایسی نعمت ہے کہ جس کے ذریعے بندے کا دل شرک کی تاریکیوں اور اس کی جہالتوں سے نکل کر نورِ ایمان کی طرف آجاتا ہے، انسان گمراہی اور حیرانی سے نکل کر ہدایت اور یقین کی طرف آجاتا ہے اور اسے اطمینانِ قلب نصیب ہوتا ہے۔ وہ مختلف معبودان کے سامنے ذلیل وخوار ہونے کی بجائے ایک ہی معبودِ برحق کا غلام بن جاتا ہے۔

اللہ تعالی کا فرمان ہے:

﴿لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ ۚ كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ إِلَّا وَجْهَهُ ۚ لَهُ الْحُكْمُ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ﴾ (سورة القصص:88)

"اس کے سوا کوئی معبودِ برحق نہیں۔ ہر چیز ہلاک ہو جائے گی سوائے اس کے۔ ہر چیز پر اسی کی حکمرانی ہے اور تم سب اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔"

نیز فرمایا:

﴿ إِنَّ الَّذِينَ هُم مِّنْ خَشْيَةِ رَبِّهِم مُّشْفِقُونَ ۝٥٧ وَالَّذِينَ هُم بِآيَاتِ رَبِّهِمْ يُؤْمِنُونَ ۝٥٨ وَالَّذِينَ هُم بِرَبِّهِمْ لَا يُشْرِكُونَ ۝٥٩ وَالَّذِينَ يُؤْتُونَ مَا آتَوا وَّقُلُوبُهُمْ وَجِلَةٌ أَنَّهُمْ إِلَىٰ رَبِّهِمْ رَاجِعُونَ ۝٦٠ أُولَٰئِكَ يُسَارِعُونَ فِي الْخَيْرَاتِ وَهُمْ لَهَا سَابِقُونَ﴾ (سورة المؤمنون: 57-61)

"بے شک جو لوگ اپنے رب کے خوف سے لرزنے والے ہیں، جو لوگ اپنے رب کی آیات پر ایمان رکھتے ہیں، جو اپنے رب کے ساتھ کسی کو شریک نہیں بناتے ہیں، جو اللہ کیلئے جو کچھ دیتے ہیں تو اسے دیتے ہوئے ان کے دل خائف ہوتے ہیں کہ بے شک انھیں اپنے رب کے پاس لوٹ کر جانا ہے۔ ایسے ہی لوگ بھلائی کے کاموں میں جلدی کرتے ہیں اور وہ ان کی طرف دوسروں سے آگے بڑھ جاتے ہیں۔"

مسلمانو! توحید کو اپنے دل میں راسخ کرنے کیلئے ضروری ہے کہ انسان ہمیشہ دلی طور پر بیدار رہے اور اپنے دل سے ہر ایسے کھٹکنے والے امر کو دور رکھے جو رب کیلئے بندے کی عبودیت میں دراڑیں ڈال سکتا ہو۔ اور اپنی تمام حرکات اور تمام اعمال میں شیطانی وساوس کو پرے پھینک دے تاکہ وہ پورے کا پورا صرف اللہ تعالیٰ کیلئے ہی خالص ہو جائے۔

لیکن میرے بھائیو! صد افسوس ہے کہ توحید میں دراڑیں ڈالنے والے امور اور اس میں نقص پیدا کرنے والی چیزیں بہت سارے لوگوں کے ہاں حکم کے اعتبار سے تو واضح ہیں لیکن اپنے صحیح مفہوم کے اعتبار سے مخفی ہیں۔ اور چونکہ ان چیزوں کا حکم واضح ہوتا ہے اس لئے آپ دیکھیں گے کہ عام مسلمان ان سے اپنی براءت کا اعلان کرتے ہیں اور اگر ان کی نسبت ان چیزوں کی طرف کی جائے تو وہ غضبناک بھی ہو جاتے ہیں۔

اور انہیں غضبناک ہونا بھی چاہئے لیکن ان کے صحیح مفہوم کے مخفی ہونے کی بناء پر بیشتر لوگ ان میں لاشعوری طور پر واقع ہو جاتے ہیں!

اہلِ علم نے اس بات کا اقرار کیا ہے کہ توحید میں دراڑیں ڈالنے والے امور کے بارے میں غور و خوض کرنا اور شرک کی مختلف شکلوں کے متعلق گفتگو کرنا قرآن مجید کا اسلوب ہے تاکہ مسلمانوں کو ان سے ڈرایا جائے۔ نہ یہ کہ انکو مدنظر رکھتے ہوئے مسلمانوں پر فتوی لگایا جائے، کیونکہ اہل السنۃ والجماعۃ اہلِ قبلہ میں سے کسی شخص کو کسی گناہ کی بناء پر کافر نہیں کہتے جب تک کہ وہ اسے حلال نہ سمجھتا ہو۔

اہلِ علم مرتد ہونے اور اس کے اسباب کے متعلق، گمراہی کے مختلف راستوں کے متعلق اور دین میں نئے نئے کام ایجاد کرنے اور اس کے خطرات کے متعلق برابر کلام کرتے چلے آرہے ہیں۔ لہٰذا جو شخص صحیح عقیدے کا علم حاصل کرتا ہے اور اسے لوگوں کو سکھلاتا اور اس کی طرف ان کی راہنمائی کرتا ہے اور کفر و شرک اور بدعت کے راستوں سے ڈراتا ہے تو وہ یقیناً مسلکِ حق پر چلتا ہے اور بالکل درست منہج اختیار کرتا ہے۔

یہاں ایک اہم منہجی غلطی کیطرف تنبیہ کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے جو کہ تعلیم و تربیت کے مختلف وسائل میں واضح طور پر پائی جاتی ہے اور وہ یہ ہے کہ آپ بہت ساری کتابیں ایسی دیکھیں گے کہ جن میں فروعی مسائل حتی کہ ان میں سے شاذ و نادر اور بہت کم واقع ہونے والے امور کے بارے میں نہایت تفصیل سے بحث کی جاتی ہے۔ اور یہ چیز اگرچہ فی ذاتہ اچھی ہے لیکن ان کے مؤلفینِ حضرات اصول کا صحیح مفہوم بیان نہیں کرتے اور اس سے وہ مفہوم مراد نہیں لیتے جس کے تمام لوگ محتاج ہیں۔ چنانچہ وہ توحید، اس کی اقسام اور اس کے حقوق کے بارے میں تفصیلی بحث نہیں کرتے اور توحید کی ضد (شرک) کو واضح طور پر بیان نہیں کرتے اور نہ ہی اس کی مختلف شکلوں اور اس کے اسباب کے متعلق لوگوں کو آگاہ کرتے ہیں!

ایک اور منہجی غلطی یہ ہے کہ بعض متقدمین رحمہم اللہ نے عقائد کے باب میں علم الکلام اور منطقی اصطلاحات کا سہارا لیا جس سے عقائد اور اصولِ دین کے اہم امور بہت سارے لوگوں پر مخفی رہ گئے۔ اگر وہ اس باب میں قرآن مجید کا اسلوب اختیار کرتے تو سیکھنے والے تمام لوگ اللہ کی ہدایت اور اس کے فضل کے زیادہ لائق ہوتے۔ ابن حجر الہیثمی رحمہ اللہ کہتے ہیں:

"جو شخص عامۃ الناس میں علم الکلام کو نشر کرنے کی کوشش کرتا ہو اسے منع کرنا چاہئے، کیونکہ ان کی عقلیں اس علم کا ادراک کرنے سے قاصر ہیں اور اس سے ان کے گمراہ ہونے کا اندیشہ زیادہ ہے۔ اور جو اسلوب قرآن مجید نے اختیار کیا ہے اسی کے مطابق لوگوں کو دلائل سمجھانے چاہئیں، کیونکہ وہ اتنا واضح ہے کہ عقل اس کا ادراک فوراً کر لیتی ہے۔"

لہٰذا تم سب اللہ سے ڈرتے رہو اللہ تعالیٰ تم پر رحم فرمائے۔ اور اپنا دین اللہ کیلئے خالص کر دو، رب کی توحید کا سچے دل سے اقرار کرو، اپنے رب کی عبادت کرتے رہو اور خیر کے کام بجا لاتے رہو تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ۔" انتہی

☆☆☆☆



پہلا خطبہ

ہر قسم کی حمد وثنا اس پروردگار کے لیے ہے جس کی تعریف کرنے سے منہ کو تازگی اور رونق نصیب ہوتی ہے، اس کی عظمت وجلال کے سامنے سب کی پیشانیاں جھکی ہوئی ہیں، ہر طرح سے کامل واکمل اور شامل واشمل حمد وثنا کے لائق وہی پروردگار ہے۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ وحدہ لاشریک کے سوا کوئی الٰہ نہیں، جو وہ بنا دے، اسے کوئی گرا نہیں سکتا، جسے وہ گرا دے اسے کوئی اٹھا نہیں سکتا، جسے وہ نواز دے اسے کوئی روک نہیں سکتا اور جو وہ فیصلہ فرما دے اسے کوئی رد نہیں کر سکتا۔

میں اس بات کی بھی گواہی دیتا ہوں کہ ہمارے پیارے سردار نبی حضرتِ محمد ﷺ اللہ کے بندے اور چنیدہ رسول ہیں:

صلى الإله وكل عبد صالح
والطيبون على السراج الواضح
المصطفى خير الأنام محمد
الطاهر العلم الضياء اللائح
زينُ الأنام المصطفى عَلَم الهدى
الصادق البرّ التقي الناصح
صلى عليه الله ما هبَّ الصَّبا
وتجاوبت وِرقُ الحَمام النائح

اللہ تعالی، ہر نیک وصالح بندہ اور طیب وطاہر فرشتے حضرت محمد ﷺ پر درود وصلوات بھیجتے ہیں، وہ ایسے پیغمبر ہیں جو چراغِ ہدایت، اللہ کی چنیدہ وپسندیدہ اور پاک وپاکیزہ ہستی، بہترین مخلوق، چمکتی ہوئی روشن نشانی، لوگوں کی زینت، منتخب شدہ، عَلَمِ ہدایت کے علمبردار، صادق ونیکوکار، پرہیزگار اور دوسروں کے خیر خواہ ہیں۔ جب تک بادِ صبا چلتی رہے گی اور کبوتر اپنی آواز کے ساتھ درختوں کے پتوں سے گفتگو کرتے رہیں گے، اللہ تعالی ان پر صلوات بھیجتا رہے گا۔

اے اللہ! نبی کریم ﷺ پر، ان کی آل اولاد اور تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر اپنی رحمت اور سلامتی نازل فرما اور قیامت تک انہیں بلاتعطل رحمت وسلامتی نصیب ہوتی رہے۔

ازاں بعد، اے مسلمانو! اللہ کی خوشنودی والے کام کرو اور اس کی نافرمانی سے اجتناب کرو، یہی اصل تقویٰ ہے۔ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ حَقَّ تُقَاتِهِ وَلَا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَأَنْتُمْ مُسْلِمُون ﴾(آلِ عِمرَان:102)

”اے لوگو جو ایمان لائے ہو، اللہ سے ڈرو جیسا کہ اس سے ڈرنے کا حق ہے تمہیں موت نہ آئے مگر اس حال میں کہ تم مسلم ہو۔“

برادرانِ اسلام! دنیا تو وقتی ساز وسامان اور طمع ولالچ کی جگہ ہے، یہاں کا سب کچھ مصنوعی اور بناوٹی ہے اور ایسی بے وقعت چیزوں سے دھوکہ کھانے والا کوئی احمق ہی ہو سکتا ہے:

أحلام نَوْم أو كظل زائل
إن اللبيب بمثلها لا يخدع

”دنیا تو حالت نیند میں آئے ہوئے خواب یا پھر ڈھلتے سائے کی مانند ہے، عقل مند انسان ایسی بے وقعت چیزوں سے دھوکہ نہیں کھاتا۔“

اليوم عندكَ دَلُّها وحديثُها
وغدًا لغيرك كفُّها والمعصم

”اس دنیا کی ادائیں اور باتیں اگر آج تمہارا مَن لُبھا رہی ہیں تو اس حقیقت کو مت بھولو کہ کل کلاں اس کی کلائی اور ہتھیلی کسی اور کے ہاتھ میں ہو گی۔“

اللہ تعالیٰ نے کافروں کے متعلق ارشاد فرمایا ہے:

﴿وَغَرَّتْهُمُ الْحَيَاةُ الدُّنْيَا وَشَهِدُوا عَلَى أَنْفُسِهِمْ أَنَّهُمْ كَانُوا كَافِرِينَ﴾ (سورۃ الانعام: 130)

”آج دنیا کی زندگی نے اِن لوگوں کو دھوکے میں ڈال رکھا ہے، مگر اُس وقت وہ خود اپنے خلاف گواہی دیں گے کہ وہ کافر تھے۔“

مزید فرمایا:

﴿بَلْ تُؤْثِرُونَ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا * وَالْآخِرَةُ خَيْرٌ وَأَبْقَى ﴾(سورۃ الاعلیٰ:16-17)

”مگر تم لوگ دنیا کی زندگی کو ترجیح دیتے ہو، حالانکہ آخرت بہتر ہے اور باقی رہنے والی ہے۔“

سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"إن الدنيا عُجِّلت لنا، وإن الآخرة نُعتت لنا، وزُويت عنا، فأخَذْنا بالعاجل وتركنا الآجِلَ-"(زاد المسیر فی علم التفسیر:4/433)

”ہمیں دنیا جلد دے دی گئی، آخرت کی صفات اور خوبیاں ہم سے بیان کر کے اسے ہم سے دوری پہ رکھا گیا، اور (ہم اتنے نادان نکلے کہ) ہم نے دنیا کا دامن پکڑ لیا اور آخرت کو چھوڑ بیٹھے۔“

دنیا بے وقعت اور جلد ملنے والی چیز، اس کی چمک دمک سراب کی مانند آنکھوں کا دھوکہ ہے، یہ پلک جھپکتے

گزر جائے گی، اس میں جو کچھ بھی ہے وہ فانی اور بتدریج ختم ہو جانے والا ہے، دنیوی چیزوں کی تعداد اور ان کی مدت زیادہ ہو جائے تب بھی انہیں فنا ہونا ہے، انسان ہر وقت موت کی دھار اور اس کے تیر کے نشانے پر ہے۔ عقل مند وہ ہے جو مقررہ وقت کے ختم ہو جانے، موت کی آغوش میں چلے جانے یا فرصت کے لمحات ختم ہو جانے سے پہلے پہلے خود کو موت کے لیے تیار کر لے لیکن فریب خوردہ اور بیوقوف انسان اس تلخ حقیقت کو فراموش کر دیتا ہے، وہ اپنا وقت ضائع کرتا رہتا ہے، انجام کی پرواہ کیے بغیر وہ غفلت کا شکار رہتا ہے اور مال و دولت کو زیادہ سے زیادہ جمع کرنے کی دوڑ اور فخر و غرور نے اسے تباہ و برباد کر دیا ہے:

جهولٌ ليس تنهاه النواهي
ولا تلقاه إلا وَهْو ساهي
يُسَرّ بيومه لعبًا ولهوًا
ولا يدري وفي غده الدواهي

"یہ ایسا نادان ہے کہ اللہ کے احکامات اور منہیات کے باوجود یہ حرام سے باز نہیں رہ پاتا، جب بھی تم اسے دیکھو گے تو اسے غافل ولا پرواہی پاؤ گے، وہ اپنے آج کے کھیل تماشے اور لہو و لعب میں ایسا خوش ہے کہ اسے معلوم ہی نہیں کہ آنے والے کل میں اسے کتنی بڑی مصیبتوں کا سامنا ہو سکتا ہے۔"

برادران اسلام! عین ممکن ہے کہ انسان کو وصیت کرنے کی مہلت ہی نہ ملے اور وہ موت کی آغوش میں پہنچ جائے اور حالت غفلت میں ہی وہ اس دنیا سے کوچ کر جائے، لوگ اس کی وفات کی اطلاع دے رہے ہوں جبکہ جانے والے کی حالت یہ ہو کہ وہ لوگوں کو عام استعمال کی چیزیں تک نہ دیتا تھا۔ بعید نہیں ہے کہ اس کی موت کا وقت قریب آ جائے اور اسے داعی اجل کو اس حال میں لبیک کہنا پڑے کہ اس نے لوگوں کے حقوق ادا کیے اور نہ ہی علم پھیلانے میں کوئی کردار ادا کیا، کوئی نہر کھدوائی اور نہ ہی کنواں کھدوایا، اس نے کسی شجرکاری میں حصہ لیا اور نہ ہی کسی مسجد کی تعمیر میں اس نے حصہ ملایا، نہ ہی اس نے کوئی مصحف وقف کیا اور نہ ہی کوئی ایسا وقف پیچھے چھوڑا کہ جس کا ثواب اسے ملتا رہے، یہ سب اس کی فکر کی کجی اور منصوبہ بندی کی کمزوری کے سبب ہوا۔

چنانچہ اے وہ شخص جو اپنے متعلق بھی کنجوسی کا شکار ہے اور آخرت کے لیے زادِ راہ ساتھ نہیں لے رہا! تو جو مال جمع کر رہا ہے وہ تو دوسروں کے لیے ہے (اس حقیقت کو جان کر بھی) تو اس میں سے راہِ خیر میں خرچ نہیں کر رہا اور نہ ہی سفر آخرت کے لیے اس مال میں سے زادِ راہ ساتھ لے رہا ہے، غور کر اور اس بات کی فکر کر کہ تیری زندگی ختم ہونے کو ہے، اس لیے اپنے مال میں سے اپنی اگلی زندگی کے لیے کچھ نہ کچھ ضرور بھیج لو، تاکہ وہاں تمہیں اس کا فائدہ ہو سکے۔

سیدنا عبد اللہ بن شخیر بیان کرتے ہیں کہ

أَتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ يَقْرَأُ أَلْهَاكُمُ التَّكَاثُرُ قَالَ يَقُولُ ابْنُ آدَمَ مَالِي مَالِي قَالَ وَهَلْ لَكَ يَا ابْنَ آدَمَ مِنْ مَالِكَ إِلَّا مَا أَكَلْتَ فَأَفْنَيْتَ أَوْ لَبِسْتَ فَأَبْلَيْتَ أَوْ تَصَدَّقْتَ فَأَمْضَيْتَ (صحیح مسلم:2958)

"میں نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا جبکہ آپ (سورت) أَلْهَاكُمُ التَّكَاثُرُ تلاوت فرما رہے تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "ابن آدم کہتا ہے میرا مال، میرا مال۔" فرمایا: "آدم کے بیٹے! تیرے مال میں سے تیرے لیے صرف وہی ہے جو تم نے کھا کر فنا کر دیا، یا پہن کر پرانا کر دیا، یا صدقہ کر کے آگے بھیج دیا۔"

اسی طرح سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«أَيُّكُمْ مَالُ وَارِثِهِ أَحَبُّ إِلَيْهِ مِنْ مَالِهِ؟» قَالُوا: يَا رَسُولَ اللَّهِ، مَا مِنَّا أَحَدٌ إِلَّا مَالُهُ أَحَبُّ إِلَيْهِ، قَالَ: «فَإِنَّ مَالَهُ مَا قَدَّمَ، وَمَالُ وَارِثِهِ مَا أَخَّرَ» (صحیح بخاری:6442)

"تم میں سے کون ہے جسے اپنے مال کے بجائے اپنے وارث کا مال زیادہ محبوب ہو؟" صحابہ کرام نے کہا: اللہ کے رسول ﷺ! ہم میں سے ہر ایک کو اپنا ہی مال محبوب ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "پھر اس کا مال تو وہی ہے جو اس نے آگے بھیج دیا اور اس کے وارث کا مال وہ ہے جو وہ (اپنے) پیچھے چھوڑ کر چلا گیا۔"

أبقيت مالكَ ميراثًا لوارثه
فليتَ شِعري ما أبقى لكَ المالُ
القومُ بعدَك في حال تسرُّهم
فكيف بعدَهُمُ دارت بكَ الحالُ
ملُّوا البكاءَ فما يبكيكَ من أحدٍ
واستحكَم القيلُ في الميراث والقالُ

"تم نے جو مال و متاع اپنے وارثوں کے لیے بچا رکھا ہے، کاش تمہیں معلوم ہو جائے کہ اس طرح تو تم نے اپنے لیے کچھ بھی نہیں بچایا۔ تیرے بعد تیرے وارثوں کی حالت تو بہتر اور خوشحال ہو جائے گی لیکن جو حالات تجھ پر بیتیں گے اس کے متعلق تم نے کبھی سوچا؟ وہ کچھ دیر کے لیے تجھے رو کر تھک ہار جائیں گے، اس کے بعد مال وراثت کی تقسیم میں وہ ایسے مصروف ہوں گے کہ تیری خاطر رونے والا کوئی نہیں رہے گا۔"

حقیقت یہ ہے کہ کنجوس آدمی کا مال یا تو وارث لے جاتے ہیں، یا وہ حوادثِ زمانہ کا شکار ہو جاتا ہے یا پھر بے مقصد پڑا رہتا ہے:

يُفني البخيلُ بجمع المال مدَّته
وللحوادث والوراث ما يدع
كدودة القزِّ ما تبنيه يُهلِكها

وغيرُها بالذي تبنيه ينتفع

"کنجوس آدمی اپنا سارا وقت مال و دولت اکٹھی کرنے میں برباد کر دیتا ہے، جبکہ وہ جو کچھ جمع کر رہا ہے وہ وارثوں اور حادثات کے کام آئے گا۔ بالکل ریشم کے کیڑے کی طرح کہ وہ ریشم بنا کر خود تو ہلاک ہو جاتا ہے جبکہ اس کے بنائے ہوئے ریشم سے فائدہ کوئی دوسرا اٹھاتا ہے۔"

اللہ کے بندو! اپنی آنکھ سے پہلے اپنے دل سے دیکھو، اس دن کو ذہن میں رکھو جب تم اس دنیا سے کوچ کر رہے ہو گے، ان لوگوں کو یاد کرو جو آج تک اس دارِ فانی سے کوچ کر گئے اور کتنے لوگ نئے پیدا ہوئے لیکن بالآخر انہیں بھی رختِ سفر باندھنا ہے، تیرے کتنے ہمسائے یہ دنیا چھوڑ گئے، چنانچہ اپنی موت کا وقت آنے سے پہلے پہلے نیکی کا بیج بو لے اور اچھے اعمال کی شجر کاری کر لے، بہترین عمل تو وہ ہے جو تو اپنے ہاتھوں سے اور اپنی نگرانی میں کروا لے، لیکن جو کام تم نے کسی وکیل یا دوسرے شخص کے ذمے لگا دیا کہ وہ تیری وفات کے بعد اسے انجام دے دے، تو تمہیں کیا معلوم کہ جسے تم نے وصیت کی ہے وہ تمہاری وصیت پوری بھی کرے گا یا نہیں؟ ہو سکتا ہے کہ وہ تمہاری وصیت کو تبدیل کر ڈالے یا پھر اسے بہت زیادہ مؤخر اور لیٹ کر دے۔

اے اللہ! ہمیں غفلت سے بیدار کر دے، تباہی کے راستے سے ہمیں بچا لے اور ہمارے گناہوں کو مٹا دے۔

میں نے جو کہنا تھا کہہ لیا، میں اللہ سے بخشش کا طلب گار ہوں، تم بھی اس سے مغفرت طلب کرو، بلاشبہ وہ توبہ مانگنے والوں کو بہت زیادہ معاف کرنے والا ہے۔

دوسرا خطبہ

ہر قسم کی حمد و ثنا اس پروردگار کے لیے ہے جو پناہ کے طالب کو اپنے لطف و کرم کی پناہ میں لے لیتا ہے، میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ وحدہ لا شریک کے سوا کوئی الٰہ نہیں، وہ اپنے فضل و کرم سے ایسے ایسے مریضوں کو شفا عطا فرماتا ہے جنہیں دنیا والے لاعلاج قرار دے چکے ہوتے ہیں۔ میں اس بات کی بھی گواہی دیتا ہوں کہ ہمارے پیارے سردار نبی حضرت محمد ﷺ اللہ کے بندے اور رسول ہیں۔ جو بھی ان کی اتباع کرے گا وہ ہدایت پائے گا اور ان کی نافرمانی کرنے والا ذلت و رسوائی اور تباہی و بربادی کا شکار ہو گا۔ نبی کریم ﷺ پر، ان کی آل اولاد اور تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر اللہ تعالی کی دائمی رحمتیں اور ابدی سلامتی نازل ہو۔

ازاں بعد، اے مسلمانو! اللہ کا تقویٰ اختیار کرو اور یاد رکھو کہ وہ تمہیں دیکھ رہا ہے، اس کی اطاعت کرو اور اس کی نافرمانی سے بچو۔ فرمان باری تعالی ہے:

﴿ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَكُونُوا مَعَ الصَّادِقِينَ ﴾ (سورۃ التوبہ: 119)

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو، اللہ سے ڈرو اور سچے لوگوں کا ساتھ دو۔"

اللہ کے حقوق کی ادائیگی میں سستی کرنے والے اے غافل انسان! اللہ تعالی نے تجھے ہر طرح کا رزق عطا کر رکھا ہے اور تجھ پر اس نے اپنے انعامات کی بارش برسائی ہوئی ہے، تو بتا تو سہی کہ تو کب تک توبہ و استغفار کو مؤخر کیے رکھے گا؟

کیا تو اس وقت توبہ کرے گا جب دنیا سے تیرا تعلق ٹوٹ چکا ہو گا اور تجھے اپنی آنکھوں کے سامنے آخرت نظر آ رہی ہو گی اور تو لقمۂ اجل بن چکا ہو گا اور حسرت و ندامت نے تجھے ہر طرف سے گھیر رکھا ہو گا اور تو اپنے پروردگار سے درخواست کر رہا ہو گا کہ وہ تجھے ایک دفعہ پھر سے دنیا میں بھیج دے، تاکہ تو اپنے برے اعمال کی اصلاح کر سکے، مظلوموں سے معافی مانگ سکے، جن پر تو نے جبر کیا ان سے معذرت کر سکے، جن کا مال تو نے ہڑپ کیا ان کا مال واپس کر سکے اور جن کے حقوق کو پامال کیا انہیں ان کا حق دے سکے؟! تو یہ مہلت مانگے گا لیکن ہر گز ہر گز تجھے یہ فرصت نہیں دی جائے گی۔ اگر واقعتاً تم اپنے اوپر ترس کھانے اور صحیح معنوں میں اللہ سے ڈرنے والے ہو تو ابھی سے اپنی کمی کوتاہی کو دور کر لو، گناہوں اور خطاؤں سے خود کو بچا لو، حرام سے بچتے ہوئے حلال پر اکتفا کرو، حقداروں کے حق ادا کرو، لوگوں کا قرض واپس کرو، نیکی کے جو مواقع ضائع ہو چکے یا جن گناہوں کا تم نے ارتکاب کیا اس پر ندامت کا اظہار کرو، فرصت کے لمحات ختم ہونے سے پہلے پہلے سابقہ سستی و کاہلی کا ازالہ کر لو، موت سے قبل اپنے پروردگار کی طرف رجوع کرو، اس پروردگار کے قریب ہونے کی کوشش کرو جس نے تمہیں بڑے خوبصورت انداز میں پیدا فرمایا اور اپنے گناہوں کی معافی مانگو، کیونکہ گناہوں کی معافی مانگنے والا ایسے ہو جاتا ہے جیسے اس نے کوئی گناہ کیا ہی نہ ہو۔

اے اللہ! ہمیں اپنی طرف لوٹنے کی توفیق عطا فرما اور ہماری عاجزی و مسکینی پر رحم فرما، اے اللہ! ہمیں اپنی طرف رغبت کرنے والا اور اپنے اوپر توکل کرنے والا بنا دے۔

ساری مخلوقات کے ہادی و شافع، سیدنا محمد مصطفیٰ ﷺ پر درود و سلام بھیجو، کیونکہ ان پر ایک مرتبہ درود پڑھنے سے اللہ کی دس رحمتیں نصیب ہوتی ہیں۔

اے اللہ! اپنے بندے اور رسول حضرت محمد ﷺ پر رحمت اور سلامتی نازل فرما۔ اے اللہ، اے کریم رب العالمین! نبی کریم ﷺ کی آل اولاد اور تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے راضی ہو جا اور ان پاکباز ہستیوں کے ساتھ ساتھ ہم سے بھی راضی ہو جا۔

☆☆☆



سوال: لندن سے ایک صاحبہ سوال کرتی ہیں کہ ان کی ایک عزیزہ کا یہ کہنا ہے کہ بعض اوقات ہمارے مذہبی، سیاسی اور تہذیبی رجحانات ایک دوسرے پر غالب آجاتے ہیں لیکن اس سے ہمارے اسلام پر کوئی فرق نہیں پڑتا۔ اسلام ایک طرزِ حیات ہے، تم چاہے قرآن جانو یا نہ جانو، اگر تم اللہ پر ایمان رکھتے ہو تو تم اسلام ہی پر عمل پیرا رہتے ہو تو اسے مطمئن کرنے کے لیے میں اسے کیا کہوں؟

جواب: آپ اس مثال سے سمجھیں کہ اگر آپ نے سڑک پر گاڑی چلانا ہے تو آپ کو ٹریفک کے تمام قواعد کا علم ہونا چاہیے جو کہ ہائی وے قواعد برائے ڈرائیورز کے نام سے موسوم ہے۔ جب تک آپ کو ان قواعد کا علم نہ ہو گا آپ صحیح طریقے سے کار ڈرائیو نہیں کر سکیں گے۔ بلکہ قانون تو آپ کو اس بات کا پابند بنائے گا کہ جب تک آپ ڈرائیونگ ٹیسٹ پاس نہیں کر لیتے، آپ اپنی کار کو سڑک پر نہیں لا سکتے۔

اور ایسے ہی اسلام بھی ایک طرزِ حیات ہے، دنیا ہمارے لیے ایک راستہ ہے اور ہم نے اسی راستے پر چل کر جینا ہے۔ قرآن ہی وہ کتاب ہے کہ جس میں ہمیں یہ بتایا گیا ہے کہ ہم اس دنیا میں کیسے جیئیں، کیا حلال ہے؟ کیا حرام ہے؟ اپنی زندگی کی گاڑی کو چلانے کے لیے ہمارا زادِ راہ کیا ہونا چاہیے، ہمارے راستے کے سنگ میل کیا ہیں، ہمیں کہاں چلنا ہے، کہاں رکنا ہے، یہ سب علم قرآن اور اس کی تشریح یعنی سنت رسول ﷺ سے حاصل ہو گا، اس لیے قرآن کے جاننے کے بغیر چارہ نہیں۔

سوال: خواتین کی ایک رضاکارانہ تنظیم BBWG کی طرف سے پوچھا گیا ہے کہ نیشنل لاٹری فنڈ کے پیسوں سے ہم اپنے رفاہی کام انجام دے سکتے ہیں جس میں تنہائی کو دور کرنا، بچوں اور خواتین کو تعلیم اور دفتری اور صنعتی کاموں میں مدد فراہم کرنا اور ان کی جسمانی اور دماغی صحت کو پروان چڑھانا شامل ہے۔

نیشنل لاٹری کا فنڈ جوا کھیلنے سے مہیا کیا جاتا ہے۔ ہر پاؤنڈ میں سے 28 فیصد رفاہی تنظیموں کی مدد کے لیے مختص ہے اور باقی 72 فیصد ان لوگوں میں تقسیم کیا جاتا ہے جن کا نام قرعہ اندازی میں نکل آتا ہے۔

وہ رقوم جو کامیاب اشخاص کا اپنا انعامی پیسہ وصول نہ کرنے کی بنا پر پڑا رہ جاتا ہے وہ بھی مذکورہ بالا رفاہی تنظیموں کے لیے قائم فنڈ میں چلا جاتا ہے۔ رفاہی تنظیمیں AGE UK سے بھی مدد حاصل کر سکتی ہیں جو کہ خود سات دوسری بڑی فنڈ فراہم کرنے والی تنظیموں سے اعانت وصول کرتی ہے جن میں نیشنل لاٹری بھی شامل ہے۔ یعنی کیا ہم نیشنل لاٹری سے بلاواسطہ یا کسی دوسری تنظیم کے توسط سے یہ فنڈ اپنے رفاہی کاموں کے لیے لے سکتے ہیں؟

جواب: یورپین کونسل برائے فتویٰ اور ریسرچ اس ضمن میں یہ فتویٰ صادر کر چکا ہے کہ اچھے رفاہی کاموں میں، ماسوائے قرآن کی طباعت کے اور مساجد کی تعمیر کے، یہ فنڈز استعمال کیے جا سکتے ہیں، مذکورہ دونوں مدوں میں صرف حلال رقوم ہی استعمال کی جا سکتی ہیں۔

اور اس فتویٰ کی بنیاد اس بات پر ہے کہ بیت المال میں اس کے آغاز ہی سے مختلف طرح کی آمدنی جمع کی جاتی تھیں جس میں زکاۃ، صدقات اور مسلم حکومت میں غیر مسلم رعایا کی طرف سے ادا کردہ جزیہ کی رقوم شامل تھیں اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ غیر مسلم افراد کی آمدنی میں شراب کی کشید اور خرید وفروخت سے حاصل شدہ رقوم بھی شامل تھیں اور پھر بیت المال کے توسط سے یہ رقوم، غذا اور ملبوسات مستحقین میں تقسیم کیے جاتے تھے اور عمومی رفاہی کاموں میں بھی یہ پیسہ تقسیم کیا جاتا تھا، اس لیے آپ لوگوں نے اپنی رفاہی تنظیم کی جن خدمات کا ذکر کیا ہے، اس میں نیشنل لاٹری فنڈز کی یہ رقوم خرچ کی جا سکتی ہیں۔

میرا اپنا ذاتی رجحان یہی ہے کہ جہاں تک ہو سکے، ان رقوم سے بچا جائے اور جو کچھ صدقہ وخیرات حلال ذرائع سے حاصل ہو اسی پر اکتفا کیا جائے۔ واللہ اعلم

سوال: لندن کے حلقہ طلبہ سے یہ سوال موصول ہوا ہے کہ کیا وجہ ہے کہ سورۃ البقرۃ میں سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی دعا میں یہ الفاظ وارد ہوئے ہیں:

﴿رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيهِمْ﴾ (سورۃ البقرۃ:129)

"اے ہمارے رب! ان میں سے ایک رسول ان پر بھیج دے جو ان پر تیری آیات کی تلاوت کرے اور انہیں کتاب وحکمت کی تعلیم دے اور ان کا تزکیہ کرے۔"

پھر یہی الفاظ سورۃ البقرہ کی آیت 151، سورۃ آل عمران کی آیت 164 اور سورۃ الجمعہ کی آیت 2 میں بھی وارد ہوئے ہیں لیکن ترتیب الفاظ میں اختلاف ہے، یعنی ان تینوں آیات میں تلاوت آیات کے بعد تزکیہ کا ذکر پہلے کیا گیا ہے اور تعلیم کتاب وحکمت کا ذکر آخر میں آیا ہے؟

جواب: سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی دعا میں یہ الفاظ منطقی ترتیب کے ساتھ آئے ہیں، یعنی انہوں نے ایسے رسول کے بھیجے جانے کی دعا جو ان چار وظائف کا

حامل ہو:

1۔ آیات پڑھ پڑھ کر سنائے۔

2۔3۔ پھر کتاب اور حکمت کی تعلیم دے۔

4۔ پھر اس کے نتیجے میں ان کے قلوب و کردار کی صفائی (تزکیہ) کر سکے۔

لیکن باقی تین آیات میں اللہ تعالیٰ نے اہل عرب پر اپنے اس احسان کا ذکر کیا ہے کہ اس نے انہی میں سے ایک رسول برپا کیا جو اوصاف مذکورہ کا حامل تھا، خاص طور پر سورہ آل عمران کی آیت ملاحظہ ہو جہاں صاف صاف اس بات کا بطور احسان ذکر کیا گیا ہے، فرمایا:

﴿لَقَدْ مَنَّ اللَّهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ إِذْ بَعَثَ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْ أَنفُسِهِمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَإِن كَانُوا مِن قَبْلُ لَفِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ﴾ (سورۃ آل عمران:164)

”بے شک اللہ نے اہل ایمان پر احسان کیا ہے کہ ان میں انہی میں سے ایک رسول بھیجا جو ان پر اس کی آیات کی تلاوت کرتا ہے اور ان کا تزکیہ کرتا ہے اور انہیں کتاب وحکمت کی تعلیم دیتا ہے اگرچہ وہ اس سے قبل کھلی گمراہی میں مبتلا تھے۔“

ایک دوسری قراءات میں ﴿مِنْ أَنْفَسِهِمْ﴾ (ف پر فتحہ کے ساتھ) وارد ہوا ہے یعنی ان کی طرف ایسا رسول بھیجا جو ان کے نفیس ترین اشخاص میں سے تھا۔

اب یہاں پر اللہ کے احسان کا تذکرہ ہے، اس احسان کا سب سے بڑا فائدہ اہل عرب کو کیا ہوا؟ یعنی ایسی چیز جس سے ان کی زندگیوں میں پر اثر پڑا ہو، ان کی زندگیوں میں انقلاب آیا ہو؟ وہ چیز ہے تزکیہ: یعنی ان کے قلب کی تطہیر اور ان کے کردار کی تشکیل نو ہو گئی۔ کہاں وہ ایک محدود علاقے میں گمنامی کی زندگی بسر کر رہے تھے، اور ماسوائے مار دھاڑ، روزی کمانے اور پھر شراب نوشی اور جوئے کی لت میں پڑے رہنے کے سوا کچھ کرنے کے روادار نہ تھے اور کہاں سول اللہ ﷺ کی تربیت اور قرآن کی بدولت وہ ایک نئی امت بن کر ابھرے اور پھر انہوں نے ایک مثالی حکومت قائم کر ڈالی اور چند سالوں میں جزیرۂ عرب سے نکل کر روم اور فارس کی شہنشائیت کو پامال کرتے ہوئے دنیا کے ایک وسیع وعریض خطے میں اسلام کا علَم بلند کر پائے اور یہ سب تزکیہ کی بدولت نصیب ہوا اس لیے مناسب ہوا کہ ان آیات میں جن کو آیات ’امتنان‘ بھی کہا جا سکتا ہے، تلاوت آیات کے بعد فوراً ہی تزکیہ کا ذکر کیا جائے تاکہ اسی کی اہمیت واضح ہو جائے۔

اس نکتے کو ابن عاشور رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر ’التنویر والتحریر‘ میں ذکر کیا ہے۔

احادیث آحاد کو عقائد میں قبول کرنے کا حکم

سوال: کیا احادیث آحاد کو عقائد میں قبول کیا جا سکتا ہے؟

جواب: اس سوال کے جواب میں پورا ایک مضمون درکار ہے لیکن یہاں اختصار کے ساتھ چند باتیں ذکر کی جاتی ہیں:

1۔ اگر ایک حدیث کو بہت سے راویوں نے روایت کیا ہو تو اسے متواتر کہا جاتا ہے اور اس کے قبول کیے جانے میں کوئی اختلاف نہیں۔

لیکن اگر راویوں کی تعداد کم ہو، تو انہیں آحاد کہا جاتا ہے اور ان کے بارے میں ہی یہ اختلاف کیا گیا کہ کسی عمل کے کرنے میں تو انہیں قبول کیا جائے لیکن اگر بات عقائد کی ہو تو انہیں قبول نہ کیا جائے۔

2۔ عام طور پر اس قاعدے کو مانا گیا ہے کہ قرآن قطعی ہے اس لیے اس سے یقینی علم حاصل ہوتا ہے، اس کے مقابلے میں احادیث آحاد ظنی ہیں اس لیے ان سے ظنی (یعنی گمان کی حد تک) کا علم حاصل ہوتا ہے اور ایسا علم عقائد اپنانے کے لیے درست نہیں۔

3۔ لیکن قرآن سے خود یہ ثابت ہو رہا ہے کہ اصل میں یہ دیکھا جائے گا کہ جو شخص کوئی بات پیش کر رہا ہے وہ کتنا وزن رکھتا ہے؟ یہ وزن اس کے ثقہ ہونے، امانت دار ہونے اور صاحب کردار ہونے کی بنا پر بنتا ہے، ایسا شخص چاہے ایک ہی ہو، اس کی بات مانی جائے گی اور اس کے مقابلے میں بے وزن لوگوں کی بات نہیں مانی جائے گی چاہے ان کی تعداد زیادہ ہی کیوں نہ ہو۔

4۔ قرآن جو کہ تمام عقائد کی بنیاد ہے، ایک شخص جبرئیل علیہ السلام لے کر آئے، اسے ایک شخص سیدنا رسول اللہ ﷺ پر اتارا گیا اور سب سے پہلے ایمان لانے والے لوگ صرف اس لیے ایمان لاتے گئے کہ ایمان کی دعوت دینے والا صادق اور امین تھا، اس کے کردار پر کسی جھوٹ، بدعنوانی، بداخلاقی کی چھاپ تک نہ تھی۔

5۔ سورۃ یٰسین کی آیات 13 تا 27 کی تلاوت کریں، کیسے اللہ تعالیٰ نے ایک قوم کی طرف صرف دو رسولوں کو بھیجا، لوگوں نے ان کی تکذیب کی تو اللہ تعالیٰ نے ان کی نصرت کے لیے ایک تیسرے رسول کو بھی بھیجا۔ تب بھی لوگوں نے ان کو جھٹلایا۔

یہاں ملاحظہ ہو کہ قوم کے عقائد بدلنے کے لیے ایک، دو یا تین رسولوں کو بھیجا جا رہا ہے، یعنی اللہ کے نزدیک عدد کی اہمیت نہیں ہے، اشخاص کی اہمیت ہے اور یہ وہ رسول ہیں جن کا انتخاب خود اللہ نے کیا ہے۔

پھر فرمایا کہ شہر کے آخری کونے سے ایک آدمی بھاگا چلا آتا ہے، یہ نہ صرف ایمان لے آیا ہے بلکہ لوگوں کو دعوت دے رہا ہے کہ ان رسولوں کی بات کو مان لو، ان کی اتباع کرو، گو اس آدمی کی بات بھی نہیں مانی گئی، اسے قتل کر دیا گیا اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے اسے جنت میں داخل کر دیا گیا۔

6۔ خود اللہ کے رسول ﷺ عرب کے مختلف علاقوں میں اپنا ایک ایک صحابی بھیجتے ہیں کہ وہ لوگوں کو اسلام کی طرف بلائیں، سیدنا معاذ رضی اللہ عنہ کو یمن کے ایک صوبے میں اور سیدنا ابو موسیٰ الاشعری رضی اللہ عنہ کو دوسرے صوبہ میں اسی کام کے لیے بھیجا۔

اگر مذکورہ اصول کو مان لیا جائے تو پھر اہل ایمن حق

بجانب تھے کہ ہم اپنے عقائد ایک آدمی کی بات پر کیوں بدلیں، کیوں نہیں اللہ کے رسول ﷺ نے بے شمار آدمیوں کو اپنا پیغامبر بنا کر نہیں بھیجا تاکہ ہمیں علم قطعی حاصل ہوتا۔

7۔ اس لیے محدثین کا یہ اصول درست ہے کہ معاملہ چاہے اعمال کا ہو یا عقائد کا، دیکھا یہ جائے گا کہ حدیث کا راوی ثقہ ہے یا نہیں، اس کا حافظ کیسا ہے، خطا تو نہیں کرتا، اگر سند میں ایک سے زائد راوی ہیں تو ہر ایک نے دوسرے سے سنا ہے یا نہیں، اس کے علاوہ بھی چند شروط رکھی گئی ہیں جن کی بنا پر یہ حکم لگایا جاتا ہے کہ حدیث صحیح درجہ کی ہے یا حسن درجہ کی۔

8۔ اور اگر حدیث مذکورہ معیار پر پوری اترے تو وہ قابل عمل بھی ہے اور عقیدہ کے اثبات کے لیے بھی کافی ہے اور اسی اصول کی بنا پر اسلامی عقائد میں سنے ہے کہ آخر زمانہ میں مہدی کا ظہور ہوگا، مسیح علیہ السلام دوبارہ نازل ہوں گے اور دجال کو قتل کریں۔

مزید تفصیل کے لیے شیخ محمد ناصر الدین البانی رحمہ اللہ کا اس موضوع کے بارے میں کتابچہ ملاحظہ ہو۔

لوگوں کے ڈر سے گناہ سے بچنا، شرک ہے؟

سوال: اللہ سے نہیں بلکہ لوگوں کے ڈر سے گناہ سے بچا جائے؟ کیا وہ شرک شمار ہوگا؟ ان تین صورتوں کی روشنی میں وضاحت فرمادیں:

1۔ ہم تنہائی میں کسی گناہ کا ارتکاب کر لیتے ہیں جیسے موسیقی کا سننا، رشوت دینا، سود کھالینا اور یہ اس لیے کہ اگر علانیہ یہ گناہ کریں گے تو ہماری شہرت داغدار ہوگی؟

2۔ یہی گناہ اگر ہم اپنی کمزوری کی بنا پر کرتے ہیں، یا مال کی حرص میں یا موسیقی سننے کی خواہش کی بنا پر، گو ہم جانتے ہیں کہ شریعت میں اسے جائز نہیں ٹھہرایا گیا ہے تو کیا ایسا کرنا شرک میں شمار ہوگا کیونکہ ہم اپنی خواہشات کی پیروی کر رہے ہیں؟

3۔ کیا ہم سود سے صرف اس لیے بچ رہے ہیں کہ حکومت اس کی اجازت نہیں دیتی، نہ کہ اللہ کے حکم کی بنا پر تو آیا یہ شرک شمار ہوگا؟

جواب: شرک اکبر (اللہ کے ساتھ کسی کو معبود ٹھہرانا) اور شرک اصغر میں فرق ہے۔

پہلی قسم کے شرک کا ارتکاب انسان کو دائرہ اسلام سے خارج کر دیتا ہے الّا یہ کہ انسان صدق دل سے توبہ کر لے۔ شرک اصغر کا ارتکاب انسان کو اس کے اعمال کے ثواب سے محروم کر دیتا ہے، مثال کے طور پر ایک نیک عمل کو صرف خود نمائی کے لیے یا شہرت حاصل کرنے کے لیے کیا جائے تو وہ شرک اصغر شمار ہوگا اور ایسا عمل ضائع ہو جائے گا اور اسی ذیل میں لوگوں کو دکھانے کے لیے نماز پڑھنا یا خیرات دینا آ جاتا ہے۔

1۔ آپ تنہائی میں صرف اس لیے گناہ کا ارتکاب کرتے ہیں تاکہ لوگوں کو پتہ نہ چلے اور آپ کی شہرت خراب نہ ہو، گناہ ہر صورت گناہ ہے، چاہے وہ تنہائی میں کیا جائے یا علی الاعلان کیا جائے، البتہ علی الاعلان کرنے میں اس گناہ کی سزا بڑھ جائے گی کیونکہ آپ لوگوں کو اس گناہ کے ارتکاب کی دعوت بھی دے رہے ہیں۔ باقی یہ کہ سزا واقعۃً ملے گی یا نہیں؟ یہ اللہ کی مشیئت پر موقوف ہے۔ اللہ کا ارشاد ہے:

﴿ إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَن يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَٰلِكَ لِمَن يَشَاءُ ۚ وَمَن يُشْرِكْ بِاللَّهِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالًا بَعِيدًا ﴾(سورۃ النساء:116)

"بے شک اللہ یہ بات معاف نہیں کرتا کہ اس کے ساتھ شرک کیا جائے لیکن اس سے کم کو جس کے لیے چاہے معاف کر دیتا ہے اور جو شخص اللہ کے ساتھ شرک کرتا ہے وہ گمراہی میں بہت دور جا چکا ہے۔"

2۔ جو مثالیں آپ نے دی ہیں وہ سب مختلف گناہوں کی مثالیں ہیں، شرک کی مثالیں نہیں اور اگر گناہ سے سچی توبہ کر لی جائے تو گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔

توبہ تو ایسی چیز ہے کہ خود شرک بھی توبہ کی بنا پر معاف ہو جاتا ہے۔ ارشاد فرمایا:

﴿وَالَّذِينَ لَا يَدْعُونَ مَعَ اللَّهِ إِلَٰهًا آخَرَ وَلَا يَقْتُلُونَ النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللَّهُ إِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا يَزْنُونَ ۚ وَمَن يَفْعَلْ ذَٰلِكَ يَلْقَ أَثَامًا﴾

"اور وہ لوگ جو اللہ کے ساتھ کسی دوسرے الٰہ کو نہیں پکارتے اور نہ ہی اس جان کو قتل کرتے ہیں جسے مارنا حرام ہے، الّا یہ کہ کسی حق کی بنا پر مارا جائے اور نہ ہی زناکاری کرتے ہیں اور جو بھی ایسا کام کرتا ہے وہ اپنے اوپر وبال لائے گا۔"(سورۃ الفرقان:68)

﴿يُضَاعَفْ لَهُ الْعَذَابُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَيَخْلُدْ فِيهِ مُهَانًا﴾(سورۃ الفرقان:69)

"اور قیامت کے دن اسے دُہرا عذاب ہوگا اور وہ اس میں ذلیل و خوار ہمیشہ پڑا رہے گا۔"

﴿إِلَّا مَن تَابَ وَآمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا فَأُولَٰئِكَ يُبَدِّلُ اللَّهُ سَيِّئَاتِهِمْ حَسَنَاتٍ ۗ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَّحِيمًا﴾(سورۃ الفرقان:70)

"سوائے اس شخص کے جو توبہ کر لے، ایمان لے آئے اور نیک اعمال کرے تو اللہ ایسے لوگوں کے گناہوں کو نیکیوں سے بدل دیتے ہیں اور اللہ غفور اور رحیم ہیں۔"

﴿وَمَن تَابَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَإِنَّهُ يَتُوبُ إِلَى اللَّهِ مَتَابًا﴾(سورۃ الفرقان:71)

"اور جو شخص توبہ کرے اور نیک عمل کرے تو وہ اللہ کی طرف رجوع کرنے والا ہے۔"

3۔ ایسے ہی حکومت کے ڈر سے کسی ناجائز عمل کو نہ کرنا شرک نہیں شمار ہوگا۔ آپ کی نیت کا شمار ہوگا، اگر آپ سود سے اس لیے بچ رہے ہیں کہ حکومت نے سود پر پابندی لگا دی ہے تو آپ کو اس کا ثواب نہیں ملے گا لیکن اگر نیت یہ ہو کہ میں اللہ کے حکم کی بنا پر سود سے بچتا ہوں تو یہی عمل کارِ ثواب ہو جائے گا۔

☆☆☆



اللہ تعالیٰ سے محبت کو اہل علم نے محبت عبادت کہا، جو دراصل توحید کی اصل اور ایمان کی جان ہے، بلکہ حقیقت عبادت اور عبودیت کی روح ہے، جو محبت کے تمام درجات میں سب سے اعلیٰ درجے پر فائز ہے، جس کے ساتھ تعظیم، بندگی اور عقیدت مندی وابستہ رہتی ہے اور جس پر بندے کی سعادت مندی کا انحصار اور کامیابی کا دار و مدار ہے، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَالَّذِينَ آمَنُوا أَشَدُّ حُبًّا لِلَّهِ﴾

”اور جو لوگ ایمان لائے اللہ سے سب سے زیادہ شدت کی محبت کرنے والے ہیں۔“(سورۃ البقرۃ:165)

امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ

”انسانوں کے لیے محبت عبادت کی ضرورت کھانے پینے سے بھی زیادہ اہم ہے، کیونکہ اگر کھانا پانی خراب ہو تو صرف جسمانی صحت متاثر ہوگی، لیکن اگر محبت عبادت مفقود ہو جائے تو دل میں بگاڑ پیدا ہو جائے گا، جس کا سدھار محبت عبادت کے علاوہ کسی اور سے ممکن ہی نہیں۔“ (جامع الرسائل لابن تیمیۃ، الرسالۃ الثالثۃ، قاعدۃ في المحبۃ، ذم اللہ التفرق)

اللہ تعالیٰ سے محبت کا معیار

جب محبت کا تعلق دل سے ہے اور دل کی حکمرانی سارے جسم پر چلتی ہے، تو اللہ تعالیٰ سے محبت محض شاعرانہ انداز سے قوالی کی شکل میں نہیں بلکہ عملاً اور حقیقی طور پر توحید واتباع سنت کی صورت میں ہونی چاہیے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ * قُلْ أَطِيعُوا اللَّهَ وَالرَّسُولَ فَإِنْ تَوَلَّوْا فَإِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْكَافِرِينَ﴾

”کہہ دیجیے کہ اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری تابعداری کرو، نتیجتاً اللہ تم سے محبت کرے گا اور تمہارے گناہ معاف کر دے گا اور اللہ بڑا بخشنے والا انتہائی مہربان ہے، کہہ دیجیے کہ اللہ اور رسول کی اطاعت کرو اور اگر یہ منہ پھیر لیں تو اللہ کافروں سے محبت ہی نہیں کرتا ہے۔“(سورۂ آل عمران:31-32)

امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ یہ آیت کریمہ ہر اس دعوے دار پر جھوٹے ہونے کا حکم لگاتی ہے جس نے محبت الٰہی کا دعویٰ تو کیا لیکن محمدی راستے پر نہیں رہا، لہٰذا جب تک وہ اپنے تمام اقوال واحوال میں شریعت محمدیہ اور دین نبوی کا تابع نہ ہو جائے اس وقت تک وہ محبت الٰہی کے دعوے میں جھوٹا ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت سے روگردانی کی صورت میں نہ صرف محبت ہی باقی نہیں رہتی بلکہ ایمان خطرے میں پڑ جاتا ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَيَقُولُونَ آمَنَّا بِاللَّهِ وَبِالرَّسُولِ وَأَطَعْنَا ثُمَّ يَتَوَلَّى فَرِيقٌ مِنْهُمْ مِنْ بَعْدِ ذَلِكَ وَمَا أُولَئِكَ بِالْمُؤْمِنِينَ﴾ (سورۃ النور:47)

”اور وہ کہتے ہیں کہ ہم اللہ اور رسول پر ایمان لائے، اور فرماں بردار ہوئے، پھر ان میں سے ایک فرقہ اس کے بعد پھر جاتا ہے، حالانکہ یہ مومن ہی نہیں۔“

محمود بن حسن الوراق نے کہا:

تَعصي الإِلهَ وَأَنتَ تُظهِرُ حُبَّهُ
هذا مُحالٌ في القِياسِ بَديعُ
لَو كانَ حُبُّكَ صادِقاً لَأَطَعتَهُ
إِنَّ المُحِبَّ لِمَن يُحِبُّ مُطيعُ

”اللہ سے محبت کا اظہار کرتے ہوئے تم اس کی نافرمانی کرتے ہو؟ یہ ناممکن (اور) پیمائش میں انوکھی بات ہے (کیونکہ) اگر تمھاری محبت سچی ہوتی تو تم اس کے فرماں بردار ہوتے (اس لیے کہ) جو جس سے محبت کرتا ہے وہ اسی کا اطاعت گزار بھی رہتا ہے۔“

(الکامل في اللغۃ والأدب لابن المبرد:4/2)

اللہ تعالیٰ کے محبوب بندوں کی صفات

کتاب وسنت کے مطالعے سے اللہ تعالیٰ کے پسندیدہ بندوں کی کچھ صفات وخصوصیات کا پتا چلتا ہے جن کی وجہ سے وہ اللہ تعالیٰ کے محبوب بن گئے، مثال کے طور پر، بکثرت توبہ کرنے والے، پاکیزگی اختیار کرنے والے، تقوی شعار، نیکوکار، صبر کرنے والے، توکل کرنے والے، انصاف پسند، اس کی راہ میں جاں فشانی کرنے والے، اہل ایمان پر نرم، اہل کفر پر سخت اور فرائض کے ساتھ نوافل کا اہتمام کرنے والے وغیرہ۔

اللہ تعالیٰ کی محبت کیسے حاصل کی جائے؟

امام ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی محبت حاصل کرنے کے 10 اہم اسباب ہیں:

1۔ انتہائی غور وفکر کے ساتھ قرآن مجید کی تلاوت کرنا۔

2۔ فرائض کے بعد نوافل کا اہتمام کرنا۔

3۔ ہر حال میں زبان، دل اور عمل کے ذریعے اسے یاد رکھنا۔

4۔ نفسانی خواہشات کے غلبے کے وقت رضائے الٰہی کو غالب رکھنا۔

5۔ اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ وصفات علیا کا دل کی گہرائی سے مطالعہ کرنا۔

> امام ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بچنے اور ثواب حاصل کرکے کام یاب ہونے کے لیے صرف اللہ تعالیٰ سے محبت کافی نہیں، کیونکہ مشرکین، نصاریٰ اور یہود وغیرہ بھی اللہ سے محبت کرتے تھے، لہٰذا اسلام میں داخل ہونے اور کفر سے بچنے کے لیے ان (انبیاء ورسل وغیرہ) سے بھی محبت ضروری ہے جن سے اللہ تعالیٰ محبت کرتا ہے۔

6۔ اللہ تعالیٰ کے ظاہری وباطنی انعامات واحسانات کا مشاہدہ کرنا۔

7۔ اللہ تعالیٰ کے آگے نفس کو شکست دینا۔

8۔ نزول الٰہی کے وقت تنہائی میں تلاوت اور توبہ واستغفار کرنا۔

(1) اکثر اہل علم نے ان اشعار کی نسبت محمود بن حسن الوراق کی جانب کی، جب کہ یہ اشعار ابن المبارک رحمۃ اللہ علیہ کے دیوان اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے دیوان میں بھی پائے گئے ہیں اور دوسروں کی جانب بھی منسوب کئے گئے ہیں، جن میں ایک شعر کا اضافہ بھی ہے:

في كُلِّ يَومٍ يَبتَديك بِنِعمَةٍ
مِنهُ وَ أَنتَ لِشُكرِ ذاكَ مُضيعُ

"ہر دن اپنی ایک نعمت تم پر بنا مانگے وہ نچھاور کرتا ہے اور تم اس کی شکر گزاری کو فراموش کر دیتے ہو۔"

9۔ سچے احباب کی صحبت اختیار کرنا۔

10۔ دل اور اللہ تعالیٰ کے درمیان حائل ہونے والے ہر سبب سے دور رہنا۔ (مدارج السالكين بين منازل إياك نعبد وإياك نستعين، فصل منزلة المحبة، فصل أسباب المحبة)

بعض اہل علم نے کہا کہ بندوں پر اللہ تعالیٰ کے بیشمار احسانات جاننے، کائنات پر غور کرنے، اللہ تعالیٰ کی عظمت وقدرت اور جلال وکمال کو یاد رکھنے سے اور اس کے ساتھ سچا اور خالص معاملہ رکھنے سے اس کی محبت نصیب ہو سکتی ہے۔

علاوہ ازیں حب الٰہی کے حصول کے لیے وہ سارے کام انجام دینے چاہیے جو محبوب بندوں کی صفات وخصوصیات میں بیان کیے گئے ہیں جن کی وجہ سے انہیں یہ بلند رتبہ نصیب ہوا ہے۔

صرف اللہ تعالیٰ کی محبت کافی نہیں

امام ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بچنے اور ثواب حاصل کر کے کام یاب ہونے کے لیے صرف اللہ تعالیٰ سے محبت کافی نہیں، کیونکہ مشرکین، نصاریٰ اور یہود وغیرہ بھی اللہ سے محبت کرتے تھے، لہٰذا اسلام میں داخل ہونے اور کفر سے بچنے کے لیے ان (انبیاء ورسل وغیرہ) سے بھی محبت ضروری ہے جن سے اللہ تعالیٰ محبت کرتا ہے۔ (الجواب الكافي لمن سأل عن الدواء الشافي (الداء والدواء)، فصل أنواع المحبة)

رسول اللہ ﷺ اللہ تعالیٰ سے اللہ تعالیٰ کی محبت اور ان کی محبت جن سے اللہ تعالیٰ محبت کرتا ہے اور ایسے عمل کی محبت مانگتے تھے جو اللہ تعالیٰ کی محبت سے قریب کردے۔ (جامع ترمذی:3235)

محبوب کی قسمیں

امام ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ محبوب کی دو قسمیں ہیں:

1۔ محبوب لنفسہ۔ 2۔ محبوب لغیرہ۔

محبوب لنفسہ کا معنی یہ ہے کہ جس سے کسی اور کی وجہ سے محبت نہ ہو بلکہ بذات خود اور براہ راست اسی سے محبت ہو اور محبوب لغیرہ کا مطلب یہ ہے کہ جس سے بذات خود محبت نہ ہو بلکہ کسی اور کی وجہ سے اس سے محبت کی جائے۔

محبوب لنفسہ صرف اللہ تعالیٰ ہے، اس کے ماسوا جیسے انبیاء، اولیاء، فرشتے وغیرہ محبوب لغیرہ ہیں، لہٰذا محبوب لغیرہ سے محبت محبوب لذاتہ (لنفسہ) سے محبت کے تابع ہونی چاہیے اور یہ تفریق واجب الاہتمام ہے۔ (الجواب الكافي لمن سأل عن الدواء الشافي (الداء والدواء)، فصل أقسام المحبوب)

غیر اللہ سے محبت

جس کیفیت اور جس درجے کی محبت اللہ تعالیٰ سے ہونی چاہیے اگر وہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور سے ہو تو شرک اکبر (القول المفيد على كتاب التوحيد' باب قول الله تعالى ومن الناس) کہلائے گی، جس کا اللہ پ نے تذکرہ کیا اور فرمایا:

﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَتَّخِذُ مِنْ دُونِ اللَّهِ أَنْدَادًا يُحِبُّونَهُمْ كَحُبِّ اللَّهِ﴾

"اور بعض لوگ ایسے بھی ہیں جو اوروں کو اللہ کے شریک ٹھہرا کر ان سے ایسی محبت رکھتے ہیں جیسی محبت اللہ سے رکھنی چاہیے۔" (سورۃ البقرۃ:165)

معلوم ہوا کہ اللہ پ سے جیسی محبت رکھنی چاہیے اگر ویسی محبت غیر اللہ سے ہو تو یہ مشرکانہ روش، خالق اور مخلوق کو ایک درجے میں سمجھنے کی وجہ سے کھلی گم راہی (سورۃ الشعراء: 97-98) بلکہ کفر (سورۃ الأنعام: 1) ہے۔

☆☆☆



حدیث نمبر:15

عَنْ أَبِي قَتَادَةَ الحارث بن رِبْعِيِّ الْأَنْصَارِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ: «لَا يُمْسِكَنَّ أَحَدُكُمْ ذَكَرَهُ بِيَمِينِهِ وَهُوَ يَبُولُ وَلَا يَتَمَسَّحْ مِنَ الْخَلَاءِ بِيَمِينِهِ وَلَا يَتَنَفَّسْ فِي الإِنَاءِ»

(رواه البخاري، كتاب الوضوء، باب لا يمسك ذكره بيمينه: برقم 154، ومسلم، كتاب الطهارة، باب النهي عن الاستنجاء باليمين، برقم 267، واللفظ له)

حدیث مبارکہ کا سلیس ترجمہ

سیدنا ابو قتادہ حارث بن ربعی انصاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"تم میں سے کوئی پیشاب کرتے وقت اپنے دائیں ہاتھ سے اپنا ذکر (شرم گاہ) نہ پکڑے۔ نہ اپنے دائیں ہاتھ سے استنجاء کرے اور نہ ہی پانی پیتے وقت برتن میں سانس لے۔" (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

مفردات الحدیث:

1۔ لَا يُمْسِكَنَّ: ہرگز نہ پکڑے۔

2۔ ذَكَرَهُ: اپنا آلہ تناسل، شرم گاہ

3۔ بِيَمِينِهِ: اپنے دائیں ہاتھ کے ساتھ۔

4۔ وَهُوَ يَبُولُ: اس حال میں کہ وہ پیشاب کرتا ہے۔

5۔ وَلَا يَتَمَسَّحْ: اور وہ گندگی کو دور کرنے کے لیے ہاتھ نہ پھیرے مراد یہ کہ دائیں ہاتھ سے استنجاء نہ کرے۔

6۔ وَلَا يَتَنَفَّسْ: اور نہ سانس لے۔

7۔ الإِنَاءِ: برتن۔

حدیث مبارکہ سے حاصل ہونے والے بعض مسائل واحکام:

اسلام کی جامعیت کہ اس نے عبادات کے ساتھ اچھی تہذیب و تمدن اور آداب و اخلاق بھی سکھائے۔ اس حدیث میں رسول اقدس ﷺ نے اُمت کو تین قیمتی نصیحتیں کی ہیں۔

پہلی نصیحت یہ ہے کہ

کوئی شخص پیشاب کرتے وقت اپنا آلہ تناسل دائیں ہاتھ سے نہ پکڑے یہی حکم دبر اور خواتین کے لیے بھی ہے کہ وہ استنجاء کرتے وقت اور عام حالات میں بھی اپنی شرم گاہ کو دائیں ہاتھ سے نہ پکڑیں/ چھوئیں بلکہ ضرورت کے وقت اس کام کے لیے بایاں ہاتھ استعمال کریں۔

دوسری نصیحت یہ ہے کہ

بول و براز کے بعد صفائی اپنے دائیں ہاتھ سے نہ کرے کیونکہ دایاں ہاتھ پاکیزہ امور مثلا کھانا پینا اور تسبیح وغیرہ کرنے کے لئے استعمال ہوتا ہے اور ہونا چاہیے اور اس میں دائیں ہاتھ کی فضیلت بھی ثابت ہوتی ہے اللہ تعالی نے بعض چیزوں کو بعض چیزوں پر فضیلت دی ہے۔

تیسری نصیحت یہ ہے کہ

امت کو یہ کی کہ پانی یا کوئی بھی مشروب پینے کے دوران برتن میں سانس نہ لے یہ عمل صحت کے لیے مضر ثابت ہو سکتا ہے اور صحت و تندرستی بہت بڑی اللہ کی نعمت ہے اس کا صحیح خیال رکھنے کا حکم ہے۔ نبی کریم ﷺ نے اپنی امت کو ہر اچھا و بہتر اور مفید کام کرنے کی تلقین کی اور نقصان دہ کاموں سے اجتناب کرنے کا حکم دیا۔ امت میں سے ہر ایک کو چاہیے کہ اپنی بھرپور طاقت سے رسول اللہ ﷺ کی تعلیمات پر عمل کرے کیونکہ اسی میں دنیا و آخرت کی خیر و بھلائی ہے۔

حدیث نمبر:16

عَنِ عَبْدِ اللهِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ مَرَّ النَّبِيُّ ﷺ بِقَبْرَيْنِ فَقَالَ:

«إِنَّهُمَا لَيُعَذَّبَانِ، وَمَا يُعَذَّبَانِ فِي كَبِيرٍ، أَمَّا أَحَدُهُمَا فَكَانَ لَا يَسْتَتِرُ مِنَ الْبَوْلِ، وَأَمَّا الآخَرُ فَكَانَ يَمْشِي بِالنَّمِيمَةِ» فَأَخَذَ جَرِيدَةً رَطْبَةً، فَشَقَّهَا نِصْفَيْنِ، فَغَرَزَ فِي كُلِّ قَبْرٍ وَاحِدَةً. فَقَالُوا يَا رَسُولَ اللَّهِ، لِمَ فَعَلْتَ هَذَا؟ قَالَ: «لَعَلَّهُ يُخَفَّفُ عَنْهُمَا مَا لَمْ يَيْبَسَا»

(رواه البخاري، كتاب الوضوء، باب من الكبائر أن لا يستتر من بوله، برقم 216، واللفظ له برقم 218، ومسلم، كتاب الطهارة، باب الدليل على نجاسة البول، ووجوب الاستبراء منه، برقم 292)

حدیث مبارکہ کا سلیس ترجمہ

سیدنا حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے فرمایا: نبی کریم ﷺ دو قبروں کے پاس سے گزرے تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"ان دونوں کو عذاب دیا جارہا ہے دونوں کو کسی بڑے گناہ (عام لوگوں کی نظر سے بڑے نہیں مگر درحقیقت وہ بڑے ہی ہیں) میں عذاب نہیں دیا جا

رہا۔ ان میں سے ایک پیشاب کرتے ہوئے اس کے چھینٹوں سے بچتا نہیں تھا اور دوسرا چغل خور تھا آپ ﷺ نے ایک تروتازہ ٹہنی لی اسے دو حصوں میں چیرا اور ہر دو قبر پر ایک ایک ٹہنی گاڑ دی۔“

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کی یارسول اللہ ﷺ آپ نے ایسا کیوں کیا آپ ﷺ نے فرمایا:

”ہو سکتا ہے جب تک یہ خشک نہ ہوں تب تک ان دونوں کے عذاب میں تخفیف کر دی جائے۔“

(صحیح بخاری و صحیح مسلم)

مفردات الحدیث

1۔مَرَّ النَّبِيُّ ﷺ: نبی ﷺ گزرے۔

2۔قَبْرَيْنِ: دو قبریں۔

3۔إِنَّهُمَا لَيُعَذَّبَانِ: بلاشبہ ان دونوں کو عذاب دیا جارہاہے۔

4۔وَمَا يُعَذَّبَانِ فِي كَبِيرٍ: کسی بڑے گناہ کی پاداش میں عذاب نہیں دیا جا رہا۔ کبیر کی تفصیل حدیث کی شرح میں ملاحظہ فرمائیں۔

5۔لَا يَسْتَتِرُ: پیشاب کے چھینٹوں سے بچتا نہیں۔

6۔يَمْشِي بِالنَّمِيمَةِ: چغل خوری کرتا ہے۔

7۔ جَرِيدَةً: کھجور کی ٹہنی۔

8۔رَطْبَةً: تروتازہ۔

9۔غَرَزَ: گاڑ دیا۔

10۔فَشَقَّهَا: دونوں کو چیرا۔

11۔مَا لَمْ يَيْبَسَا: جب تک دونوں خشک نہ ہوں۔

حدیث مبارکہ سے حاصل ہونے والے بعض مسائل اور احکام

1. دوران سفر وغیرہ جب بھی مناسب موقع و محل ہو اچھی چیز کی تعلیم و ترغیب دینا اور گناہوں سے بچنے کی ترھیب دینے کی ترغیب۔ قبرستان سے گذرنے یا راستہ ہونے کا جواز۔
2. اثبات عذاب قبر۔
3. قبر کے احوال کا مخفی ہونا اور بغیر وحی الٰہی کے حواس خمسہ کے ذریعے قبر کے حالات کا معلوم نہ ہونے کا ثبوت اور دین میں وحی الٰہی صرف نبی و رسول کا خاصہ ہے کیونکہ آپ کے اصحاب اعلیٰ درجے کے اولیاء اللہ تھے مگر کسی کو قبر میں موجود اشخاص کے عذاب کا علم نہ ہو سکا تاوقتیکہ پیغمبر نے بتایا۔
4. کسی بات کا علم نہ ہو تو علم والے سے پوچھنا جیسا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے رسول اللہ ﷺ سے کھجور کی ٹہنیوں کے گاڑنے کا سبب پوچھا۔
5. فضول اور بے مقصد سوال نہ کرنے کی تعلیم و ترغیب کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ان دو افراد کے نام نہیں پوچھے جن کی دو قبریں تھیں۔
6. صاحب علم سمیت ہر ایک کو دوسرے کے گناہوں کی پردہ پوشی کرنی چاہیے الا یہ کہ کوئی خود سرعام گناہ کرتا ہو یا حد سے تجاوز کرنے والا ہو یا اس کے گناہ سے کسی دوسرے کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہو تو پھر اس کا گناہ اور نام وغیرہ عام و مشہور کیا جانا چاہیے۔
7. اس حدیث سے اصل مسئلہ دو گناہوں کی سنگینی بتانا مقصود تھی نہ کہ ٹہنیاں لگانا۔ دونوں گناہوں سے بچنا کوئی بڑا مشکل کام نہیں بلکہ آسان ہے اسی لیے آپ نے فرمایا ومایعذبان في كبير. کہ کسی بڑے کام و گناہ کی وجہ سے عذاب نہیں ہو رہا تھا اس کا یہ معنی نہیں کہ یہ گناہ صغیرہ ہیں بلکہ اس سے مراد یا تو یہ ہے کہ لوگ ان گناہوں کو بڑا نہیں سمجھتے یا یہ ہے کہ ان سے بچنا کوئی بڑا مشکل عمل نہیں ہے۔ واللہ اعلم۔
8. گناہوں کی صغیر و کبیر کے لحاظ سے تقسیم کا ثبوت۔
9. پیشاب کے چھینٹوں سے بچنا اور چغل خوری نہ کرنا واجب و فرض ہے اور یہ بھی ان کے کبیرہ گناہ ہونے کی دلیل ہے کیونکہ واجب کا تارک کبیرہ گناہ کا مرتکب ہوتا ہے۔
10. رسول اللہ ﷺ سے ان دو قبروں کے علاوہ اپنی پوری زندگی کسی بھی دوسری قبر پر یہ عمل نہیں کیا جو اس بات کی دلیل ہے کہ یہ عمل عام نہیں ہے بلکہ یہ عمل رسول اللہ ﷺ کے ساتھ انہی دو قبروں کے ساتھ خاص تھا۔ آپ کی زندگی میں اور زندگی کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین سے یہ عمل ثابت نہیں ہے

کیونکہ کسی کو معلوم نہیں کہ قبر میں کس کو عذاب ہو رہا ہے اور کس کو نہیں ہمارے معاشرے میں آج کل اس عمل کا بہت رواج ہو گیا ہے بلکہ اب تو غیر مسلموں کی مشابہت میں ڈھیروں پھول وغیرہ رکھے جاتے ہیں اور ٹہنی کی جگہ بڑے بڑے پودوں اور درختوں نے لے لی بلکہ اب مسلمانوں کے قبرستان میں happy birthday کے غبارے اور جھنڈے وغیرہ بھی نظر آنے لگ گئے ہیں۔ اور بظاہر مسلمانوں کی قبروں اور کفار کی قبروں میں کوئی فرق نہیں رہا ہے۔ فَإِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُوْن

مسلمانوں کی غلط روش کی وجہ سے اس حدیث مبارکہ کی اصل تعلیم کہ پیشاب کے چھینٹوں سے بچنا اور چغلی نہ کرنے کی طرف توجہ ہی نہیں رہی اور نہ اس سے بچنے کی کی کوشش کی جاتی ہے بس قبروں پر خوب پودے و پھول رکھے اور اگائے جارہے ہیں جو دراصل مزید گناہ اور عذاب کا سبب ہو سکتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو صحیح سمجھ و عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

☆☆☆



﴿وَإِذْ أَخَذْنَا مِيثَاقَ بَنِي إِسْرَائِيلَ لَا تَعْبُدُونَ إِلَّا اللَّهَ وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا وَذِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسَاكِينِ وَقُولُوا لِلنَّاسِ حُسْنًا وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ إِلَّا قَلِيلًا مِّنكُمْ وَأَنتُم مُّعْرِضُونَ﴾

"اور جب ہم نے بنی اسرائیل سے وعدہ لیا کہ تم اللہ کے سوا دوسرے کی عبادت نہ کرنا اور ماں باپ کے ساتھ اچھا سلوک کرنا، اسی طرح قرابت داروں، یتیموں اور مسکینوں کے ساتھ اور لوگوں کو اچھی باتیں کہنا، نمازیں قائم رکھنا اور زکوۃ دیتے رہا کرنا، لیکن تھوڑے سے لوگوں کے علاوہ تم سب پھر گئے اور منہ موڑ لیا۔(سورۃ البقرۃ:83)

اس آیت میں بنی اسرائیل سے لیے گئے عہد کا تذکرہ کیا گیا ہے جس میں آٹھ (8) بنیادی باتوں کا حکم دیا گیا ہے، ان باتوں کا تعلق عقائد، حقوق وعبادات سے ہے یہی وہ بنیادی تعلیمات ہیں، جو معاشرہ کو مستحکم وخوبصورت بناتی ہیں، اور مذہب کو نمایاں کرتی ہیں، ان تعلیمات کو قرآن مجید میں بار بار دہرایا گیا ہے اور رسول اللہ ﷺ نے سنت مطہرہ میں ان کی ایسی تشریح فرمائی ہے، جس نے تمام ادیان ومذاہب کے درمیان اسلام کے نور وحقانیت کو نمایاں کر دیا ہے، دین اسلام کی ترقی وسربلندی میں بنیادی تعلیمات ہی سنگ میل ہیں۔ لیکن اہل کتاب نے ان تعلیمات سے انحراف کرتے ہوئے شرک کا ارتکاب کیا، سیدنا عیسی وعزیر علیہم السلام کو اللہ کا بیٹا اور مریم کو اللہ کی بیوی قرار دے کر ان کی عبادت وپرستش شروع کر دی، باہمی حقوق تلف کر دیئے، دیگر عبادات کو ملیامیٹ کر دیا جس کے سبب وہ گمراہ کر دئے گئے اور موجب عذاب ہوئے۔

بعض نکات کی تشریحات:

1۔﴿وَإِذْ أَخَذْنَا مِيثَاقَ بَنِي إِسْرَائِيلَ لَا تَعْبُدُونَ إِلَّا اللَّهَ﴾ یہی وہ عہد ہے جو تمام انسانیت سے اللہ تبارک وتعالیٰ نے لیا ہے جس کا ذکر قرآن کے دیگر مقامات پر بھی کیا گیا ہے، جیسا کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَمَا أَرْسَلْنَا مِن قَبْلِكَ مِن رَّسُولٍ إِلَّا نُوحِي إِلَيْهِ أَنَّهُ لَا إِلَٰهَ إِلَّا أَنَا فَاعْبُدُونِ﴾

"تجھ سے پہلے بھی جو رسول ہم نے بھیجا اس کی طرف یہی وحی نازل فرمائی کہ میرے سوا کوئی معبود برحق نہیں پس تم سب میری ہی عبادت کرو۔" (سورۃ الانبیاء:35)

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ

﴿ وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِي كُلِّ أُمَّةٍ رَّسُولًا أَنِ اعْبُدُوا اللَّهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوتَ﴾

"ہم نے ہر امت میں رسول بھیجا کہ (لوگو) صرف اللہ کی عبادت کرو اور اس کے سوا تمام معبودوں سے بچو۔"(سورۃ النحل:36)(سورۃ لقمان:13)

2۔﴿وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا﴾ "والدین کے ساتھ حسن سلوک کے متعلق اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿وَوَصَّيْنَا الْإِنسَانَ بِوَالِدَيْهِ حَمَلَتْهُ أُمُّهُ وَهْنًا عَلَىٰ وَهْنٍ وَفِصَالُهُ فِي عَامَيْنِ أَنِ اشْكُرْ لِي وَلِوَالِدَيْكَ إِلَيَّ الْمَصِيرُ ﴾

"ہم نے انسان کو اس کے ماں باپ کے متعلق نصیحت کی ہے، اس کی ماں نے دکھ پر دکھ اٹھا کر اسے حمل میں رکھا اور اس کا دودھ چھڑائی 2 برس میں ہے کہ تو میری اور اپنے ماں باپ کی شکر گزاری کر، (تم سب کو) میری ہی طرف لوٹ کر آنا ہے۔"

والدین کے ساتھ حسن سلوک کے متعلق ایک اور مقام پر اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿وَقَضَىٰ رَبُّكَ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا إِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا ۚ إِمَّا يَبْلُغَنَّ عِندَكَ الْكِبَرَ أَحَدُهُمَا أَوْ كِلَاهُمَا فَلَا تَقُل لَّهُمَا أُفٍّ وَلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُل لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيمًا﴾

"اور تیرا پروردگار صاف صاف حکم دے چکا ہے تم اس کے سوا اور کی عبادت نہ کرنا اور ماں باپ کے ساتھ احسان کرنا۔ اگر تیری موجودگی میں ان میں سے ایک یا دونوں بڑھاپے کو پہنچ جائیں تو ان کے آگے اف تک نہ کہنا، نہ انہیں ڈانٹ ڈپٹ کرنا بلکہ ان کے ساتھ ادب واحترام سے بات کرنا۔" (سورۃ الاسراء:23)

سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ میں نے پوچھا کہ یا رسول اللہ (ﷺ)! کونسا عمل سب سے زیادہ افضل ہے؟ تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "نماز کو اس کے وقت پر ادا کرنا۔" پھر میں نے پوچھا کہ یا رسول اللہ (ﷺ)! اس کے بعد کون سا عمل افضل ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: "والدین کے ساتھ حسن سلوک کا معاملہ کرنا۔"

پھر میں نے پوچھا کہ اس کے بعد کونسا عمل افضل ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: "اللہ کی راہ میں جہاد کرنا۔"(صحیح بخاری: 5970،7534)

3،4،5۔﴿وَذِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسَاكِينِ﴾ آیت کے اس فقرے میں تین انسانی طبقات کا تذکرہ کیا گیا ہے، قرابت دار، یتامیٰ اور مساکین۔ قرابت داروں کے ساتھ حسن سلوک وحسن معاملہ کے تعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَآتِ ذَا الْقُرْبَىٰ حَقَّهُ

وَالْمَسٰكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيلِ وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيرًا﴾ (سورۃ الاسراء:26)

"اور رشتے داروں کا اور مسکینوں اور مسافروں کا حق ادا کرتے رہو اور اسراف اور بیجا خرچ سے بچو۔"

مذکورہ آیات و احادیث میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے رشتے ناتوں کے ساتھ صلہ رحمی کا حکم دیا ہے کیونکہ دین میں اس کی بڑی اہمیت ہے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«تَعَلَّمُوا مِنْ أَنْسَابِكُمْ مَا تَصِلُونَ بِهِ أَرْحَامَكُمْ فَإِنَّ صِلَةَ الرَّحِمِ مَحَبَّةٌ فِي الْأَهْلِ مَثْرَاةٌ فِي الْمَالِ مَنْسَأَةٌ فِي الْأَثَرِ»

"اس قدر اپنا نسب جانو، جس سے تم اپنے رشتے جوڑ سکو، اس لیے کہ رشتہ جوڑنے سے رشتہ داروں کی محبت بڑھتی ہے، مال و دولت میں اضافہ ہوتا ہے، اور آدمی کی عمر بڑھا دی جاتی ہے۔" (جامع ترمذی:1979)

اسی صلہ رحمی کی بابت نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«الصَّدَقَةُ عَلَى المِسكِينِ صَدَقَةٌ ، وعَلَى ذِي الرَّحِمِ ثِنْتَانِ : صَدَقَةٌ وَصِلَةٌ »

"مسکین پر صدقہ کرنا صدقے کے اجر کا باعث ہے اور قرابت دار و رشتے دار پر صدقہ کرنا دوہرے اجر کا باعث ہے، ایک صدقے کا اور دوسرا رشتے دار کے ساتھ صلہ رحمی کا۔" (جامع ترمذی:658؛ صحیح ابن خزیمہ:2385)

اسی سلسلہ میں رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

«السَّاعِي عَلَى الْأَرْمَلَةِ وَالْمِسْكِينِ كَالْمُجَاهِدِ فِي سَبِيلِ اللَّهِ » (صحیح مسلم:2982)

"کسی بیوہ اور مسکین کی سرپرستی کرنے والے کی مثال ایسی ہے جیسی مجاہد فی سبیل اللہ کی۔"

قرابت دار کے یتیم کا تذکرہ کیا گیا ہے: 'یتیم' وہ کمسن بچہ جو ماں باپ کے سایۂ عاطفت سے محروم ہو چکا ہو یتیم کہلاتا ہے، ہر زمانہ میں یتیم سماجی زیادتیوں اور ظلم و زیادتی کا شکار رہا، یتیم کو ہمیشہ اپنے باپ کی وراثت سے محروم کیا جاتا رہا، اپنے بیگانے، کیا رشتے دار و ناطے دار ہر کوئی اسے کمزور اور گری ہوئی نظروں سے دیکھتا تھا، قوم کے مالدار و سرمائے دار اور خوشحال لوگ انکی حوصلہ شکنی کرتے اور اسے اخلاقی زیادتیوں کا شکار بناتے۔ یتیموں کے ساتھ یہ سلوک ہر زمانے اور ہر دور میں رہا۔ جب رسول اللہ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے نبی بنا کر بھیجا تو یتیموں کے حقوق کے خاص احکام بتائے گئے اور انسانیت کو تنبیہ کی گئی کہ وہ یتیموں کے ساتھ سب سے بہتر سلوک کریں۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ نے انسانیت کی اس کمزوری کی جانب توجہ دلائی کہ

﴿ كَلَّا ۖ بَل لَّا تُكْرِمُونَ الْيَتِيمَ ﴾ "ایسا ہرگز نہیں بلکہ (بات یہ ہے) کہ تم (ہی) لوگ یتیموں کی عزت نہیں کرتے۔" (سورۃ الفجر:17)

یتیم کے کھانے پینے اور اس کے ساتھ بہتر معاملہ کرنے کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے اور فرمایا:

﴿فَكُّ رَقَبَةٍ * أَوْ إِطْعَامٌ فِي يَوْمٍ ذِي مَسْغَبَةٍ * يَتِيمًا ذَا مَقْرَبَةٍ ﴾

"کسی کی گردن کو آزاد کرانا یا کسی فاقے کے دن کی رشتے دار اور یتیم کو کھانا کھلانا۔" (سورۃ البلد:13-15)

وہ لوگ جو یتیموں کی بے کسی بے بسی کا ناجائز فائدہ اٹھاتے تھے ہیں انھیں خبردار کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ وَآتُوا الْيَتَامَىٰ أَمْوَالَهُمْ ۖ وَلَا تَتَبَدَّلُوا الْخَبِيثَ بِالطَّيِّبِ ۖ وَلَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَهُمْ إِلَىٰ أَمْوَالِكُمْ ۚ إِنَّهُ كَانَ حُوبًا كَبِيرًا ﴾

"یتیموں کا مال ان کے حوالے کر دو اور حلال و پاک کے بدلے میں حرام و ناپاک کو اختیار نہ کرو، اور اپنے مال کے ساتھ ان کا مال ملا کر نہ کھاؤ، بے شک یہ بہت بڑا گناہ ہے۔" (سورۃ النساء:2)

رسول اللہ ﷺ نے یتیموں کے حقوق بتاتے ہوئے انسانیت کو یہ پیغام سنایا کہ

«أَنَا وَكَافِلُ اليَتِيمِ فِي الجَنَّةِ هَكَذَا» وَقَالَ بِإِصْبَعَيْهِ السَّبَّابَةِ وَالوُسْطَى»

"میں اور کسی یتیم کی کفالت کرنے والے جنت میں یوں دو انگلیوں کی طرح قریب ہوں گے۔" (صحیح بخاری:6005)

اسی طرح یتیم کے متعلق ارشاد فرمایا:

«خَيْرُ بَيْتٍ فِي الْمُسْلِمِينَ بَيْتٌ فِيهِ يَتِيمٌ يُحْسَنُ إِلَيْهِ وَشَرُّ بَيْتٍ فِي الْمُسْلِمِينَ بَيْتٌ فِيهِ يَتِيمٌ يُسَاءُ إِلَيْهِ» (ابن ماجہ:3679)

"مسلمان کا سب سے بہترین میں گھر وہ ہے جس میں کوئی یتیم ہو، اور اس کے ساتھ بھلائی کا معاملہ کیا جاتا ہو، اور مسلمانوں کا سب سے بدتر گھر وہ ہے جس میں کوئی یتیم ہو اور اس کے ساتھ برا سلوک کیا جاتا ہو۔"

یتیم کے متعلق ان انسانی تعلیمات کا اثر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی زندگی پر اس طرح واقع ہوا کہ صحابی رسول سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے بارے میں سیدنا ابو بکر بن حفص رحمۃ اللہ علیہ بیان فرماتے ہیں:

«أنّ عبدَ اللهِ كان لا يأكُلُ طعامًا إلّا وعلى خِوَانِهِ يَتِيمٌ» (الادب المفرد:136، باب75)

"سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اپنے دسترخوان پر کسی یتیم کے بغیر کھانا تناول نہیں فرماتے تھے۔"

سیدنا حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ بیان فرماتے ہیں کہ ایک یتیم بچہ سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما کے کھانے پر حاضر ہوا کرتا تھا، ایک دن سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کھانا منگوایا لیکن جب بچے کو دیکھا تو وہ موجود نہیں تھا، جب سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما کھانے سے فارغ ہو گئے تو وہ آ گیا۔ سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما نے اس کے لیے کھانا مانگا مگر ان کے (گھر والوں) کے پاس کھانا نہیں تھا تو آپ اس کے پاس ستو اور شہد لے کر آئے اور فرمایا:

«دُونَكَ هَذَا فَوَ اللهِ مَا غبنت»

"اسے کھالو! اللہ کی قسم! میں خسارے میں نہیں رہا۔" سیدنا حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: واللہ! ابن عمر رضی اللہ عنہما خسارے میں نہیں رہے۔" (الادب المفرد: 134، باب75)

خاندان کے ہر رکن کا فرض ہے کہ یتیم کو اپنی آغوش محبت میں رکھے اس کی تعلیم و تربیت پر پورا دھیان

دے اس کے مال و جائیداد کی صاحب عقل وشعور ہونے تک حفاظت کرے اور پھر اسے امانت کے ساتھ واپس کر دے، اگر لڑکی ہے تو اس کی اچھی طرح دیکھ بھال کے علاوہ کوئی مناسب رشتہ تلاش کر کے اس کی شادی بیاہ کر دے۔

6۔﴿وَقُولُوا لِلنَّاسِ حُسْنًا﴾ "لوگوں کے ساتھ اپنی زبان استعمال کرو، جس میں مردت ونرمی ہو۔"

بعض مفسرین نے اس کا معنی یہ کیا ہے کہ

"انھیں نیکی کا حکم دو اور برائیوں سے روکو۔"

زبان کی یہی نرمی ہے، جس کے اختیار کرنے کا حکم اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی موسی وہارون علیہما السلام کو دیا تھا کہ وہ دربار فرعون میں زبان کی نرمی اختیار کریں۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ فَقُولَا لَهُ قَوْلًا لَّيِّنًا لَّعَلَّهُ يَتَذَكَّرُ أَوْ يَخْشَىٰ ﴾ (سورۃ طہٰ:44)

"تم دونوں اس سے نرم زبان میں گفتگو کرو شاید کہ وہ نصیحت حاصل کرے یا اللہ کا خوف کھائے۔"

زبان کی نرمی ہی سے انسان اپنا صحیح پیغام اپنے سامع تک پہنچا سکتا ہے، زبان کی تُرشی و سختی سے دوسرے انسان دوری اختیار کرتے ہیں اور بہتر سے بہتر بات کو تسلیم نہیں کرتے، پیغام حق کی اشاعت کے لئے زبان کی نرمی سب سے اہم ہے، اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو خطاب کرکے فرمایا:

﴿فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللَّهِ لِنتَ لَهُمْ ۖ وَلَوْ كُنتَ فَظًّا غَلِيظَ الْقَلْبِ لَانفَضُّوا مِنْ حَوْلِكَ ۖ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ ۖ فَإِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ ۚ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِينَ﴾ (سورۃ آل عمران:159)

"اللہ تعالیٰ کی رحمت کے باعث آپ ان پر رحم دل ہیں اور اگر آپ بد زبان اور سخت دل ہوتے تو یہ سب آپ کے پاس سے چھٹ جاتے، سو آپ ان سے درگزر کریں اور ان کے لئے استغفار کریں اور کام کا مشورہ ان سے کیا کریں پھر جب آپ کا پختہ ارادہ ہو جائے تو اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کریں، بے شک اللہ تعالیٰ توکل کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔"

7۔﴿وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ﴾

اسلام کا دوسرا رکن نماز ہے: (أقيموا الصلوة) کا معنی یہ ہے کہ فرض نمازوں کا اس کے حق کے ساتھ اس کے اوقات میں تعدیل ارکان اور اس کے شروط کے ساتھ خشوع وخضوع کے ساتھ، نبی ﷺ کے بتائے ہوئے اصول اور طریقہ پر نماز ادا کرنا چاہئے، جماعت کے ساتھ نماز ادا کریں، اہل وعیال، دوست واحباب، اہلیان محلہ کو بھی نماز کے لیے تلقین کریں اور ساتھ لے کر نماز ادا کریں، اسکول وکالجز کے بچوں کو نماز کی ترغیب دیں بلکہ انتظامیہ کو تلقین کی جائے کہ وہ نماز کا اہتمام کروائیں ایسے اسکولوں میں اپنے بچوں کو تعلیم نہ دلوائیں جہاں نماز کا اہتمام نہیں کروایا جاتا، مسلمان ہونے کا یہی تقاضا ہے کہ مالکین اپنے ماتحتوں کو نماز کا حکم دیں، کسی بھی مسلمان مالک کے تحت بے نمازی ملازم نہ رہے، مسلمان ملازمین جہاں بھی رہیں پابندی کے ساتھ نماز میں ادا کریں۔ والدین وسرپرست حضرات نماز ادا نہ کرنے والی اولاد کو توجہ دلائیں اور انھیں پابند نماز بنائیں یہی اقامت صلوۃ کا مفہوم ہے، یہی اللہ کا حکم ہے۔

8۔﴿وَآتُوا الزَّكَاةَ﴾ زکوۃ اسلام کا چوتھا رکن ہے، جو اللہ تعالیٰ کی جانب سے فرض کردہ ہے، ہر مسلمان ومؤمن کو چاہیے کہ وہ اپنے مال ودولت، جانور، کھیتی، زمین، سبزیوں، باغات، مال تجارت، سونا، چاندی، زیورات، مشینری کی زکوۃ اس کے وقت کے ساتھ ادا کریں کیونکہ یہی فریضہ ہے۔ خلوص نیت کے ساتھ ادا کرنے میں اللہ کی رضامندی ہے، زکوۃ کا انکار کرنے والا موجب کفر ہوگا اس کے خلاف جہاد لازم ہے، جس طرح اقامت صلوۃ یعنی نماز کا ادا کرنا پانچ وقت فرض ہے اسی طرح زکوۃ نکالنا بھی فرض ہے۔

قرآن مجید میں جہاں جہاں اقامت الصلوۃ کا حکم دیا گیا ہے وہیں ایتائے زکوۃ کا بھی حکم دیا گیا ہے جس کا معنی یہ ہوگا کہ جس طرح نماز ادا کی جاتی ہے اسی طرح زکوۃ بھی ادا کی جائے۔

دوسرا مفہوم نکل سکتا ہے کہ ہر اس مسجد میں جہاں پنج وقتہ نماز میں اور جمعہ ادا کیا جاتا ہو وہاں بیت المال کا نظام بھی قائم ہوں جس سے ملت اسلامیہ کے غرباء، فقراء، یتامی، بیوہ، قرض دار، قیدی، فاقہ کش، بھوکے پیاسوں کی ضروریات کی تعمیل ہو سکے، اس نظام کو نہ قائم کرنے کے سبب ملت اسلامیہ میں سود، رشوت، خیانت جیسے جرائم عام ہیں۔

لوگ اپنی ضروریات کی تکمیل کے لئے بینکس، رہن سنٹر اور سودخوروں کے در پر جانے لگے ہیں۔ بڑے ہی دکھ اور افسوس کی بات ہے کہ کئی مسلم آبادی والے علاقوں میں غیر مسلموں نے سرعام رہن سنٹرز کھول رکھے ہیں، جہاں مسلم مرد وخواتین بڑی ہی بے باکی کے ساتھ رہن پر اپنا اثاثہ رکھ کر قم لے آتے ہیں اور بہت سے سودخوروں نے ہمارے محلوں کو سودی معاملات کے ذریعہ یرغمال بنا رکھا ہے، یہ نتائج ہیں، نظام بیت المال نہ قائم کرنے کے، عنداللہ قومی قائدین، رہنما اور رہبر اور علمائے عظام وخطباء کرام مسؤل رہیں گے، شائد اسی سب سے اللہ نے امت پر سے اپنی رحمت کے ہاتھوں کو روک لیا ہے۔

یہ تعلیمات انسانیت کی فلاح وکامرانی کے لئے دی گئی ہیں اس سے انسانی سماج کے سارے رشتے استوار رہتے ہیں اگر ان رشتوں کو نظر انداز کر دیا جائے یا ان کی اہمیت کو گھٹا دیا جائے تو انسانی سماج کا ڈھانچہ درھم برہم ہو جائے گا اور انسان زمین پر مطلب پرستی وخود غرضی کی زندگی گزارے گا۔ یہاں یہ جاننا ضروری ہے کہ عہد وفا کو توڑ کر بنی اسرائیل نے نہ صرف اللہ تعالیٰ سے اپنے رشتوں کو خراب کیا بلکہ روئے زمین کے سارے رشتے ناطوں کو پارہ پارہ کر دیا ہے۔ اس لیے بنی اسرائیل سخت وسنگ دل ہی نہیں خود غرض ہیں، انسانیت کی تباہی پر انہیں کوئی رنج وملال نہیں ہوتا۔ اگر ہم نے بھی اس عہد وفا کی پابندی نہ کی تو اللہ تعالیٰ ہمارا بھی حشر بنی اسرائیل سے بدتر کر دے گا۔



Piccadilly Tavern-5

مشرقی لندن کی مسجد آتے جاتے یورپول روڈ سے بارہا گذرنا ہوا، جہاں یو کے اسلامک مشن کا صدر دفتر تھا۔ غالباً یہ مکان ڈاکٹر مصطفیٰ اعظمی کے توسط سے مشن کی تحویل میں دیا گیا تھا۔ جناب سلیم کیانی اس وقت مشن کے صدر تھے اور پھر ان کے آفس کے توسط سے مجھے گاہے گاہے کہیں نہ کہیں دعوت خطاب موصول ہو جاتی اور یہ بات ہے 1977ء کی جب مجھے انگریزوں کے ایک گروپ کو دعوت خطاب دی گئی۔ ان دنوں کار کا سفر لندن کی (A to Z) کا محتاج رہتا تھا۔ چنانچہ میں نے اس کتاب کی مدد سے راستے کی منزلوں کو متعین کیا اور لندن کے قلب ’پکاڈلی‘ جا پہنچا، گاڑی ایک جگہ پارک کی اور پھر اس کتاب کو ہاتھ میں لیے اپنی منزل کی طرف بڑھنے لگا، جو کہ اس حکایت کا عنوان ہے، مذکورہ عنوان سے منزل کی شناخت بآسانی ہو سکتی تھی لیکن اس وقت میں (Tavern) کی اصطلاح سے ناآشنا تھا۔ البتہ اس کتاب کی رہنمائی میں اس کے قریب پہنچ چکا تھا۔ پھر دیکھا کہ دو سڑکوں کے درمیان ایک راہداری مجھے منزل مقصود تک لیجا سکتی ہے، جس کی دونوں اطراف کوئی ایک میٹر بلند لوہے کی سلاخوں کی فصیل (Fence) چلی جا رہی تھی۔ میں اس فصیل کے ساتھ چلتا گیا لیکن دیکھا کہ آگے جا کر دونوں طرف کی فصیل ایک گولائی میں آ کر مل جاتی ہیں، گویا آگے راستہ مسدود، الّا یہ کہ پیچھے جاؤں اور سڑک پار کر کے آگے بڑھوں۔ لیکن ایک جوان رعنا ہونے کے ناطے سے میں نے ایک میٹر بلند فصیل پر سے زقند لگانے کو ترجیح دی۔ میں اس پار تو پہنچ گیا لیکن اس عالم میں کہ میری عینک آنکھ سے اور کتاب ہاتھ سے گر کر سڑک پر جا پڑیں تھیں، احساس ہو رہا تھا کہ شاید پاؤں میں موچ آ گئی ہے۔ زمین سے اپنا مال ومتاع اٹھا کر میں نے سڑک پار کی۔ فٹ پاتھ پر ایک بنچ نظر آیا جہاں ایک ’جلسہ استراحت‘ کو غنیمت جانا۔ اب جو نظر اٹھا کر دیکھا تو سڑک کے پار ایک مے خانہ نظر آیا جس پر جلی الفاظ میں ’پکاڈلی ٹے ورن‘ کی تختی آویزاں تھی۔ تو یہ تھا وہ مے خانہ (Tavern) جہاں مجھے مدعو کیا گیا تھا۔

میں آہستہ آہستہ قدم اٹھاتا زندگی میں پہلی بار ایک مے خانہ میں داخل ہو رہا تھا، استقبالیہ ڈیسک سے معلوم ہوا کہ میرے مدعوین بالائی منزل پر میرا انتظار کر رہے ہیں، چنانچہ میں سیڑھیاں چڑھتا اس کمرے میں پہنچا جہاں کوئی دس بارہ مرد وزن ایک میز کے گرد جمع تھے، انہوں نے مجھے خوش آمدید کہا، وہ خود تو اپنے ہاتھوں میں ساغر وجام تھامے ہوئے تھے۔ مجھ سے بھی سوال کیا کہ کیا پسند کرو گے، میں نے ’آب زلال‘ کی فرمائش کی اور پھر موقع ومحل کی مناسبت سے نہ صرف اسلام کا تعارف پیش کیا بلکہ حرمت شراب کی حکمت پر بھی روشنی ڈالی۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ میرے پیر کی حرارت درد میں تبدیل ہوتی جا رہی تھی۔ میں نے شرکاء بزم کو اپنی اس واردات کی حکایت سنائی تو انہوں نے لپک کر درد کم کرنے کی چند گولیاں تلاش کر لیں جو میں نے حلق میں اتار لیں۔

اب واپسی کا مرحلہ تھا۔ مجھے اپنے اس زخم خوردہ قدم کے ساتھ سیڑھیوں سے اترنا تھا۔ ان حضرات میں سے ایک دو نے پیشکش کی کہ ہم آپ کو دائیں بائیں سے تھام لیتے ہیں تا کہ آپ آرام سے اتر سکیں۔ میں نے عالم تصور میں دیکھا کہ میرا جیسا ایک باریش شخص ایک شراب خانے کی بالائی منزل سے اس حال میں اتر رہا ہے کہ ایک شخص دائیں جانب سے اور دوسرا بائیں جانب سے اسے تھامے ہوئے ہے تو نچلی منزل کے بادہ خوار اس کے بارے میں کیا تاثر قائم کریں گے؟

چنانچہ میں نے ان لوگوں سے معذرت کی، کہا کہ میں اپنے سہارے خود اترتا ہوں، آپ بس مجھے میری گاڑی تک پہنچنے میں مدد دیں اور یوں میں درد کی شدت کے باوجود گاڑی چلاتا گھر تک پہنچا۔ اب مجھے یہ یاد نہیں کہ گاڑی میں نے خود چلائی تھی یا انہی میں سے کسی شخص نے میری گاڑی ڈارئیو کی تھی۔

میں سوچتا رہا کہ یہ واقعہ میرے ساتھ کیوں پیش آیا۔ کوئی توجیہہ سمجھ میں نہیں آئی، سوائے اس کے کہ ایک حدیث میں یہ بات بیان ہوئی ہے:

«لا تجلسوا على مائدة تدار عليها كؤوس الخمر» (طبرانی)

”ایسے کسی دستر خوان پر نہ بیٹھو کہ جس پر شراب کے گلاسوں کا دور دورہ ہو۔“

جہاں شک وشبہ کا سامان موجود ہو اور یہی مضمون ہے اس حدیث کا بھی:

«دَعْ ما يَرِيبُكَ إلى ما لا يَرِيبُكَ»

”چھوڑ دو اس چیز کو جس کے بارے میں تمہیں شک ہو اور لے لو اس چیز کو جس میں کوئی شک نہ ہو۔“

ایسی ہی صورتحال اس واقعے سے کوئی چالیس برس

بعد بھی پھر پیش آئی۔ ایک عرب دوست نے جو رفاہی کاموں میں پیش پیش ہیں، اپنے ایک خیراتی پراجیکٹ کے تعارف کے سلسلہ میں ایک میٹنگ بلائی جس میں ان کے کچھ بیرونی عرب دوست عشائیے پر مدعو تھے، مقام دعوت لندن کا ایک لبنانی ریسٹوران تھا۔ کھانا میزوں پر لگا دیا گیا تھا اور ہم چند لقمے بھی تناول کر چکے تھے جب میری نظر ہماری نشستوں سے متصل مسقف دالان پر پڑی۔ دیکھا کہ چند سازندے اپنے آلات طرب وضرب کے ساتھ اور دو رقاصائیں اپنے غمزہ وعشوہ کے ساتھ راگ ورنگ کی ایک محفل برپا کرنے کے لیے پرتول رہے ہیں۔

اتنا وقت نہ تھا کہ میں اپنے اس دوست کو متوجہ کرتا جو کچھ فاصلے پر اپنے مہمانوں کے ساتھ محو گفتگو تھے، خیریت اسی میں سمجھی کہ اپنا کوٹ اٹھاؤں اور باہر کا راستہ ناپوں۔ میری دیکھا دیکھی چند دوسرے حضرات نے بھی باہر کا رخ کیا۔ اللہ کا شکر ادا کیا کہ باعزت نکلنا نصیب ہوا۔ میں اپنے دوست کی عقل کا بھی ماتم کرتا رہا۔ وہ ایک جہاندیدہ شخص تھے، انہوں نے اس اجتماع کیلئے ایسی مشتبہ جگہ کا انتخاب کیوں کیا؟

6۔ دو انتہائی قابل احترام ہستیوں کی آمد

غالباً یہ 1978ء کی بات ہے کہ میرے والد شیخ عبد الغفار حسن اور ان سے قبل یا بعد میرے استاد شیخ محمد ناصر الدین البانی رحمۃ اللہ علیہ لندن تشریف لائے تھے۔

ابا جان کا تو یہ نجی دورہ تھا۔ جب میں نیروبی (مشرقی افریقہ) میں تھا تو وہاں بھی انہوں نے اپنے قدوم میمنت سے نوازا تھا اور اب لندن میں بھی میری خواہش کو ملحوظ خاطر لاتے ہوئے اس طویل سفر کے لیے وقت نکال لیا تھا۔ میں اپنی ایک پرانی تحریر سے یہ اقتباس پیش کرتا ہوں:

والد مکرم کا سفر برطانیہ

31 جولائی 1976ء میں نیروبی سے لندن منتقل ہو چکا تھا۔ 2 سال بعد والد مکرم نے یہاں بھی شرف پذیرائی بخشا، لندن کے تاریخی مقامات اور ونڈسر سفاری پارک کی سیر کروائی جہاں ہم سب نے پہلی مرتبہ ڈولفن مچھلی کے کرتب دیکھے۔

یہاں دینی سرگرمیوں کی کثرت والد صاحب کو مصروف کرنے کے لیے کافی تھی۔ بالہم مسجد میں ہمارے ساتھی اور ابا جان کے شاگرد حافظ نثار احمد نے درس کا اہتمام کیا۔ یو کے اسلامک مشن کے احباب نے اپنے مرکز میں درس کا انعقاد کروایا۔ ایک جمعہ مسجد مشرقِ لندن کی پرانی اور عارضی عمارت میں پڑھایا۔ جنوبی لندن کے ایک شناسا اپنے گھر لے گئے، پھر ہم سوئے شمال روانہ ہوئے۔ برمنگھم کی زیارت میں برادرم محمود احمد میرپوری مرحوم نے احباب کو جمع کر کے صورت ملاقات پیدا کی، برمنگھم سے تیس میل کے فاصلہ پر لیسٹر ہے جہاں پروفیسر خورشید احمد نے اسلامک فاؤنڈیشن کی شکل میں ایک علمی اور تحقیقی مجلس سجا رکھی ہے۔ چنانچہ فاؤنڈیشن کے پرانے مرکز کو دیکھا اور برادرم خرم جاہ مراد سے تجدید ملاقات ہوئی۔ خیال رہے کہ دونوں حضرات ابا جان کے دور جماعت کے ساتھیوں میں سے بھی ہیں اور تربیت گاہوں کے طفیل ان کے شاگردوں میں سے بھی۔

اور آگے گئے اور مانچسٹر کے نواح سے راشڈیل پہنچے جہاں ابا جان کے ایک اور جماعتی دور کے ساتھی نقی علی مرحوم نیلی مسجد کے در و دیوار کو آباد کئے ہوئے تھے، وہ عرصہ قبل لاہور سے کراچی منتقل ہو گئے تھے اور پھر ان کا دانا پانی انہیں اس دور افتادہ مقام لے آیا تھا ان کی وفات برطانیہ میں ہوئی۔ ایسٹ لندن مسجد کی پرانی عمارت میں نماز جنازہ ہوئی اور اس کے بعد نعش کو پاکستان لے جایا گیا تھا۔

بشیر دیوان جو کہ اسلامک فاؤنڈیشن نیروبی کے صدر تھے اور پھر میرے برطانیہ آنے سے پہلے یہاں آکر آباد ہو چکے تھے، ابا جان کی موجودگی میں انتقال کر گئے۔ ان کا جنازہ ابا جان نے ہی پڑھایا۔ ٹوٹنم کے قبرستان میں دفن کیا گیا۔ ان کی وفات کے 29 سال بعد یعنی 2007ء میں ان کی اہلیہ کا انتقال ہوا اور ان کے صاحبزادگان کی خواہش پر میں نے جنازہ پڑھایا، اسی قبرستان میں ان کو بھی جگہ مل سکی۔ رب اغفر لهما وارحمهما

والد صاحب کا یہ سفر سیاحتی سے زیادہ دعوتی اور تبلیغی رہا۔ مجھے اس بات کی انتہائی خوشی ہوئی، انہوں نے دونوں جگہ (افریقہ اور پھر برطانیہ) آکر میری دعوت کو شرف قبولیت بخشا۔

درس و تدریس دعوت و تبلیغ میں مفید مشوروں سے نوازا اور پھر بعد کی ملاقاتوں میں برطانیہ کے حوالے سے ہمیشہ دینی و علمی رہنمائی کرتے رہے۔

اللّٰهُمَّ اغفرله وارحمه وأدخله في جنتك الفردوس، آمین یا رب العالمین (بحوالہ: مولانا عبد الغفار حسن، حیات و خدمات: ص 220۔221)

ابا جان کا قرآن فہمی کے ساتھ خاص ذوق شوق رہا ہے۔ اس لیے یہ موضوع ان کی تقاریر اور خطبات میں غالب رہا۔ ابا جان اپنے اس مختصر قیام کے بعد مدینہ واپس لوٹ گئے۔ شیخ محمد ناصر الدین البانی رحمۃ اللہ علیہ دعوتی مشن پر تشریف لائے تھے۔ میں لندن، برمنگھم اور ووکنگ کے دورہ میں ان کے ہمراہ تھا۔ اس وقت ان کی شخصیت اہل برطانیہ کے ہاں زیادہ معروف نہ تھی اس لیے ایک محدود تعداد ہی ان سے استفادہ کر پائی۔

ایک اجتماع میں ایک صاحب نے ان سے سوال کیا کہ یہاں دیار مغرب میں حلال و حرام کے حوالے سے ہمیں عجیب مسائل درپیش ہیں، تو ہمارا طرز عمل کیا ہونا چاہیے؟

شیخ نے کہا کہ میں تمہیں ملک شام کی ضرب المثل سناتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ جو شخص ڈراؤنے خواب نہ دیکھنا چاہے تو پھر قبرستان میں جا کر نہ سوئے۔ ہمارے مدنی دوست حافظ نثار الدین احمد نے انہیں کھانے پر مدعو کیا۔

میز پر کھانے کے ساتھ چھری کانٹے کے لوازمات موجود تھے، جنہیں شیخ نے اپنے دست شفقت سے نوازا۔ دعوت میں ایک کٹّر مذہبی رجحانات رکھنے والے ہندوستان کے ایک اہلحدیث علمی خانوادے کے ہونہار نوجوان بھی موجود تھے۔ انہوں نے کہا: کیا یہ سنت کی خلاف ورزی نہیں ہے؟ آپ بجائے ہاتھ کے ان چھری کانٹوں سے کیوں شغل فرما رہے ہیں؟ تو شیخ نے مسکرا کر انہیں اس گھڑی کی طرف توجہ دلائی جو انہوں نے اپنی کلائی میں سجا رکھی تھی، کہا: کیا یہ سنت ہے جو تم نے اپنا رکھی ہے؟

شیخ فن مناظرہ میں طاق تھے، اپنے مخاطب کو بہت نرمی اور متانت کے ساتھ سؤال در سؤال کر کے بالآخر قائل کر دیا کرتے تھے۔

میں نے نیروبی کے قیام کے دوران داڑھی کے وہ چند بال منڈوانے شروع کر دیے تھے جو دونوں رخساروں پر اگ آتے ہیں۔ عرف عام میں اسے خط بنانا کہا جاتا ہے۔ شیخ نے کہا کہ یہ بال بھی داڑھی کا حصہ ہیں اور ان کا منڈوانا درست نہیں ہے۔ الحمد للہ اس وقت سے داڑھی کی وہی ہیئت بر قرار رکھی ہے جس کی ہدایت شیخ نے کی تھی۔

یہ بات واضح رہے کہ شیخ کے نزدیک مٹھی سے زائد بال کٹانے میں کوئی قباحت نہیں ہے کہ جس کی بنیاد سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا عمل ہے اور اسی تعلق سے میں داڑھی کے وقتاً فوقتاً داڑھی کو سنوارنے کی جسارت کرتا رہتا ہوں۔

میرے ساتھ وہ برٹش میوزیم میں بھی گئے جہاں علوم شرقیہ کا شعبہ مخطوطات ان کی دلچسپی کا خصوصی مرکز رہا اور یہاں انہوں نے مخطوطات کی جانچ پڑتال میں اچھا وقت گزارا۔

دار الرعایہ لندن کے عرب حضرات نے ان کے خطاب کا اہتمام کیا۔

ہم ووکنگ بھی گئے جہاں شاہجہاں مسجد کی زیارت مقصود تھی۔ یہ برطانیہ کی قدیم ترین مسجد جو 1889ء میں والیہ بھوپال شاہجہاں بیگم کے عطیہ سے تعمیر کی گئی تھی۔

جس کا وجود ایک مستشرق ڈاکٹر گوٹلب ول ہَلم لائٹنر کی جدوجہد کا مرہون منت ہے۔ ان کا تعلق ہنگری سے تھا، کئی زبانوں کے ماہر تھے، برطانوی ہند چلے آئے۔ لاہور میں اچھا وقت گزارا، اور نٹیل کالج اور گورنمنٹ کالج سے تعلق رہا اور وہاں 20 سال کے قیام کے بعد واپس یورپ آمد ہوئی۔ دوبارہ انگلینڈ کا رخ کیا، ووکنگ میں ایک قطعہ زمین خرید کر ایک تعلیمی ادارے کی بنیاد رکھی جس میں ہندوستانی مذاہب کے معابد کی تعمیر کرنا چاہتے تھے، والیہ بھوپال ملکہ شاہجہاں بیگم کی لندن آمد نے ان کے لیے یہ موقع فراہم کیا کہ وہ ان سے مسجد کی تعمیر کے لیے عطیہ کی فرمائش کریں اور پھر اس خطیر رقم سے ایک مسجد کی تعمیر کرپائیں۔

شیخ کی امامت میں ایک نماز یہاں ادا ہوئی۔ غالباً متصل لائبریری کو بھی دیکھنے کا موقع ملا۔ شیخ کی معیت میں گزارے ہوئے یہ چند روز میری یادوں کو معطر کرتے رہیں گے۔

7۔ شکاگو کا تدریسی سفر

یہ 1977ء کے موسم گرما کی بات ہے جب دار الافتاء (الریاض) کی جانب سے مجھے شکاگو (امریکہ) میں منعقد ہونے والے ایک چالیس روزہ تدریسی دورے میں شرکت کی دعوت دی گئی تھی۔ یہ دورہ جامعۃ الامام محمد بن سعود کے اشتراک کے ساتھ کیا جا رہا تھا جس میں امریکہ کے پچاس سیہ فام ائمہ مساجد کو تعلیم کے لیے مدعو کیا گیا تھا۔

Naperville شکاگو کا ایک مضافاتی علاقہ تھا جہاں ایک کالج کی عمارت میں درس وتدریس کی محفلیں سجائی گئی تھیں۔

ہم ووکنگ بھی گئے جہاں شاہجہاں مسجد کی زیارت مقصود تھی۔ یہ برطانیہ کی قدیم ترین مسجد جو 1889ء میں والیہ بھوپال شاہجہاں بیگم کے عطیہ سے تعمیر کی گئی تھی۔

جس کا وجود ایک مستشرق ڈاکٹر گوٹلب ول ہَلم لائٹنر کی جدوجہد کا مرہون منت ہے۔ ان کا تعلق ہنگری سے تھا، کئی زبانوں کے ماہر تھے، برطانوی ہند چلے آئے۔ لاہور میں اچھا وقت گزارا، اور نٹیل کالج اور گورنمنٹ کالج سے تعلق رہا اور وہاں 20 سال کے قیام کے بعد واپس یورپ آمد ہوئی۔ دوبارہ انگلینڈ کا رخ کیا، ووکنگ میں ایک قطعہ زمین خرید کر ایک تعلیمی ادارے کی بنیاد رکھی جس میں ہندوستانی مذاہب کے معابد کی تعمیر کرنا چاہتے تھے، والیہ بھوپال ملکہ شاہجہاں بیگم کی لندن آمد نے ان کے لیے یہ موقع فراہم کیا کہ وہ ان سے مسجد کی تعمیر کے لیے عطیہ کی فرمائش کریں اور پھر اس خطیر رقم سے ایک مسجد کی تعمیر کرپائیں۔

دورۃ کے منتظم جو جامعۃ الامام کے ایک استاد تھے، میرے بارے میں متردّد تھے کہ مجھے کون سے اسباق دیے جائیں کیونکہ اس وقت میں ڈاکٹریٹ کی ڈگری کا حامل نہ تھا لیکن دار الافتاء کی طرف سے میرا انتخاب ان کی خواہش کے آڑے آگیا۔ مجھے منتخب احادیث کی تدریس سونپی گئی۔

کہنے کو ہمارے طلبہ سب کے سب ائمہ مساجد تھے لیکن عربی زبان سے معمولی شُدبُد رکھتے تھے اور ان کا کل سرمایہ دین کا واجبی علم تھا۔ اس لیے میرا انتخاب کردہ حدیث کا کورس اور پھر بزبان انگریزی اس کی تشریح طلبہ کی بے حد دلچسپی کا مرکز رہی اور وہی حضرات جو آغاز میں میرے بارے میں تردّد رکھتے تھے، اختتام کورس کے وقت میرے بارے میں خوش آئند جذبات رکھنے اور تعریفی کلمات کہنے پر شاداں وفرحاں دکھائی دیے۔

ان ائمہ میں مالکم ایکس کے برادر بزرگوار اور امام سراج وہاج اور دیگر کئی امام شامل تھے جنہوں نے بعد کے مراحل زندگی میں کافی نیک نامی کمائی۔

یہ ماہِ جولائی تھا کہ ماہ رمضان کا آغاز ہو گیا اور ہماری سحری وافطار کے لیے کالج کے کیفے ٹیریا میں خصوصی انتظام کیا گیا۔ کھانا تیار کرنے اور ہم مہمانوں کے سامنے پیش کرنے پر چند مرد اور خواتین مامور تھے۔ ایک تو موسم گرما اور دوسرے مغربی تہذیب کے سب سے بڑے ترجمان یعنی امریکہ کے باسیوں کی میزبانی کرنا ہمارے مقدر میں لکھا ہوا تھا۔ امریکی مرد وخواتین کے لیے موسم گرما میں مختصر لباس پہنے رہنا معمولات حیات میں سے ہے گویا ذوق نظر کے امتحان اور غض بصر کا پورا پورا سامان موجود تھا، یہ وہ دن تھے جب امریکہ کی برطانوی حکمرانی سے آزادی پر 2 سو 2 سال بیت چکے تھے، خیال رہے کہ امریکہ نے 4 جولائی 1776ء میں آزادی کا اعلان کیا تھا اور پچھلے دو سالوں سے اب تک آزادی کا دوصد سالہ جشن منایا جا رہا تھا، اس لیے میدان اور پارک ان کی اچھل کود کا مرکز بنے ہوئے تھے۔

ہمارے تدریسی عملہ میں مصر کے استاد علی احمد جریشہ بھی شامل تھے، انہوں نے پہلے دن افطاری میں شرکت کی اور پھر کیفے ٹیریا کی میزبان خواتین کی ہیئت کذائی دیکھ کر آئندہ وہاں آنے پر سات سلام بھیجے، ہم لوگ ان کے لیے کچھ افطاری لے آتے لیکن انہوں نے پلٹ کر وہاں قدم نہ رکھا۔ میں ان کی راست گوئی اور ثابت قدمی کو سلام پیش کرتا ہوں۔

شیکاگو کے قیام کے دوران ایک دن میں یہاں سب سے اونچی عمارت Sears Tower دیکھنے کا موقع بھی ملا اور ہمارے لیے یہ فخر کی بات تھی کہ اس کا ڈیزائن بنانے والے ایک مسلمان ماہر تعمیر تھے جن کا تعلق سابق مشرقی پاکستان سے تھا۔ یہ عمارت 110 منزلوں سے عبارت تھی، میں لندن کے اس حادثے کا ذکر کر چکا ہوں جبکہ میرے ٹخنے میں چوٹ آنے کی بنا پر شدید درد سے دوچار ہوا تھا۔ شیکاگو کی چہل خرامی کے دوران ایک پھسلن کی بنا پر یہ تکلیف دوبارہ عود کر آئی اور پھر ہسپتال کی حاضری، دائیں ٹانگ پر پلاسٹر کی لیپا لوتی اور ہاتھ میں ایک بیساکھی کے تحفے کی خبر لائی۔ یہ اس دورے کے آخری ایام کی یادگار تھی۔

کورس کے اختتامی اجلاس میں طلبہ نے اپنی خوشگوار یادوں کا بھی تذکرہ کیا۔ ان میں سے ایک نے کہا:

”ہم لوگ تو اتنے شرارتی ٹھہرے کہ ہمارے ایک استاد کو بیساکھی کی ضرورت پیش آگئی۔“

اور پھر کوئی چالیس برس بعد لندن کی ایک کانفرنس کہ جس کی بانی مبانی جدہ کی زمان فیملی تھی، میں سراج وہاج کو اسٹیج پر دیکھا۔ میں بھی اس کانفرنس میں مدعو تھا۔ سراج وہاج نے اپنے استاد کو یاد رکھا۔ چنانچہ اپنے خطاب کے دوران عزت واحترام سے مجھے یاد کیا اور میرے درس حدیث کی یادوں کو سراہا، خوش قسمت ہیں وہ طلبہ جو اپنے اساتذہ کو یاد رکھتے ہیں۔ میں تو کہوں گا کہ ہر وہ شخص جس سے آپ نے ایک کلمہ خیر بھی سیکھا ہو وہ آپ کا استاد ہے اور اس کا احترام آپ پر واجب ہے۔

شیکاگو ہی کے ایک بک اسٹور سے مالک ایکس کی سوانح عمری ہاتھ آئی جسے ایک مشہور امریکی مصنف ایلکس ہیلی نے تحریر کیا ہے اور جو سیہ فام امریکی مسلمانوں کی تاریخ کا ایک روشن باب ہے۔

☆☆☆

قطعہ

نیندوں سے اٹھ کے اکثر بستر پہ بیٹھتے ہیں
آواز کس نے دی ہے؟ بس کان بولتے ہیں
جیون کے سارے سپنے کب کے بکھر چکے ہیں
بھولی سی ان کی یادیں پھر بھی ٹٹولتے ہیں

ڈاکٹر ثاقب

اکابر علما کا اخلاق

حاتم الاصم رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا گیا:
آپ مناظرے میں کیوں کر غالب آتے ہیں؟
فرمایا: تین چیزوں سے:
جب میرا مدمقابل درست بات کہتا ہے تو میں خوش ہوتا ہوں، جب وہ غلطی کرتا ہے تو مجھے غم ہوتا ہے اور میں اپنی زبان کی حفاظت کرتا ہوں تاکہ ایسی بات نہ کہہ جاؤں جو اسے ناگوار گزرے۔

(شیخ صالح المنجد حفظہ اللہ)



جب سیدنا عباس بن مرداس رضی اللہ عنہ مسجد میں داخل ہوئے تو رسول اکرم ﷺ کے لبوں پر مسکراہٹ پھیل گئی!

سیدنا عباس بن مرداس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ایک دوپہر عمرہ نامی مقام پر میں اونٹ چرا رہا تھا، اچانک میں نے ایک سفید شتر مرغ دیکھا کہ جس پر ایک سفید سوار تھا، اس نے مجھ سے کہا کہ اے عباس بن مرداس! کیا تم نہیں دیکھتے ہو کہ آسمان سے گھنٹیوں کی آوازیں آنا بند ہو گئی ہیں؟ جنگ نے طبل بجانا چھوڑ دیا ہے اور گھوڑوں نے اپنے زین اتار دیے ہیں کیونکہ قصواء اونٹنی کا سوار غار حرا سے ہدایت لے کر اترا پڑا ہے۔

سیدنا عباس رضی اللہ عنہ یہ دیکھ کر خوف کے مارے وہاں سے چل پڑے اور ان کے بت جس کا نام ضماد تھا، وہاں گئے اور وہاں جا کر اس جگہ کی صفائی کر کے بڑی ہی عقیدت اور پیار و محبت کا اظہار کرنے لگے تو اس بت میں سے آواز آئی کہ اے عباس بن مرداس سلیم کے تمام قبائل سے کہہ دو کہ مسجد والے کامیاب ہو گئے اور ضماد بت روسیاہ ہو گیا!

جو پہلے پوجا جاتا تھا، جب نبی ﷺ پر درود پڑھا جانے لگا یعنی آپ ﷺ نبی بنائے گئے تو بتوں کی قدر و قیمت خود بخود ختم ہو گئی!

إن الذي جاء بالنبوة والهدى بعد بن مريم
من قريش مهتد

”بے شک جو عیسیٰ بن مریم کے بعد قریش میں نبی ہوا ہے وہ ہدایت لے کر آیا ہے۔“

عباس کہتے ہیں کہ میں اس واقعہ سے بہت ڈر گیا اور اپنی قوم سے یہ سارا واقعہ بیان کیا تو وہاں بنو حارثہ کے 300 سواروں کے ساتھ رسول اکرم ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور جب مسجد میں داخل ہوا تو آپ ﷺ مجھے دیکھ کر مسکرا اٹھے اور فرمایا: عباس اپنے اسلام لانے کا واقعہ بیان کرو جب میں نے آپ ﷺ کے سامنے بیان کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم نے سچ کہا، بعد ازاں میں اور اپنی قوم نے اسلام قبول کر لیا، جس سے اللہ کے نبی ﷺ کو دلی فرحت اور مسرت ہوئی۔ (البدایہ والنہایہ: 2/341)

اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا، اللہ رب العالمین کو اسی طرح ہنستے ہوئے دیکھ کر مجھے بھی ہنسی آ گئی!

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں اس شخص کو جانتا ہوں جو دوزخ میں سے سب سے آخر میں نکالا جائے گا اور جنت میں سب سے آخر میں داخل کیا جائے گا، ایسا شخص وہ ہو گا جو چلے گا، لیکن اپنے گناہوں کی وجہ سے اوندھا گر پڑے گا اور جہنم کی آگ اس کو جلائے گی، جب وہ شخص دوزخ سے باہر ہو جائے گا تو پیٹھ موڑ کر اس کو دیکھے گا اور کہے گا بڑی بابرکت ہے وہ ذات جس نے مجھے تجھ سے نجات دی، بے شک اللہ تعالیٰ نے مجھے ایسی چیز عطا کی جو بعد والوں میں سے کسی کو نہیں دی، اتنے میں اس کو ایک درخت دکھائی دے گا جسے دیکھ کر وہ کہے گا یا اللہ! مجھے اس کے قریب کر دے تاکہ میں اس درخت کے سائے میں رہوں اور اس کا پانی پیوں، اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ اے آدم کے بیٹے اگر میں تیرا یہ سوال پورا کر دوں تو تو اور سوال تو نہ کرے گا؟ وہ کہے گا نہیں، اے میرے رب! میں وعدہ کرتا ہوں کہ میں اور کوئی سوال نہیں کروں گا، اب اللہ تعالیٰ اس کا عذر قبول کرے گا، اس لیے کہ وہ ایسی نعمت کا مشاہدہ کر چکا ہے کہ جس پر اس کو صبر نہیں ہو سکتا، (انسان بے صبرا ہے) وہ جب تکلیف میں مبتلا ہو اور عیش کی چیز دیکھے تو بے اختیار اس کی خواہش کرتا ہے، آخر کار اللہ تعالیٰ اس کو درخت کے نزدیک کر دے گا، وہ اس کے سائے میں رہے گا اور اس کا پانی پیئے گا، اتنے اس کو پھر ایک درخت دکھائی دے گا جو اس سے بھی اچھا ہو گا، پھر عرض کرے گا، اے میرے پروردگار! مجھ کو اسی درخت کے قریب پہنچا دے تاکہ میں اس کا پانی پیوں، اس کے بعد اور کوئی سوال نہ کروں گا، اللہ تعالیٰ فرمائے گا اے آدم کے بیٹے! کیا تو نے یہ عہد نہیں کیا تھا کہ اب سوال نہ کروں گا اور اگر اب میں تجھے اس درخت تک پہنچا دوں تو تو پھر کوئی اور سوال تو نہ کرے گا؟ وہ کہے گا کہ نہیں، اے میرے مالک! میں اور سوال نہ کروں گا، تب اللہ تعالیٰ اس کو اس درخت کے نزدیک کر دے گا، پھر اس کو ایک اور درخت دکھائی دے گا جو جنت کے دروازے پر ہو گا اور پہلے کے دونوں درختوں سے بہتر ہو گا، وہ کہے گا، اے میرے رب! مجھے اس درخت کے پاس پہنچا دے تاکہ میں اس کے سایہ تلے رہوں اور اس کا پانی پیوں، اب میں کچھ اور سوال نہ کروں گا، (اللہ تعالیٰ اس کو معذور رکھے گا اس لیے کہ وہ ایسی نعمتوں کو دیکھ رہا ہے جن پر صبر نہیں کر سکتا) آخر اللہ تعالیٰ اس کو اسی درخت کے قریب کر دے گا، جب وہ اس درخت کے پاس پہنچ جائے گا تو جنت والوں کی آوازیں سنے گا اور کہے گا۔

اے میرے رب! مجھے جنت کے اندر پہنچا دے، اللہ تعالیٰ فرمائے گا، اے آدم کے بیٹے! تیرے سوال کو کیا چیز پورا کرے گی؟ یعنی تیری خواہش کب موقوف ہو گی اور یہ بار بار سوال کرنا کب بند ہو گا؟ بھلا تو اس پر راضی ہے کہ میں تجھے ساری دنیا کے برابر دوں اور اتنا ہی اور دوں؟ وہ بندہ کہے گا کہ اے میرے پروردگار! آپ مجھ سے مذاق اور ہنسی کرتے ہیں باوجود اس کے آپ سارے جہاں کے مالک اور شہنشاہ ہیں، (یہ واقعہ بیان کر کے) سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ

ہنسنے لگے اور اپنے شاگردوں سے فرمایا: تم مجھ سے پوچھتے کیوں نہیں کہ میں کیوں ہنس رہا ہوں؟ لوگوں نے کہا، اچھا فرمائیے بے محل آپ کیوں ہنس پڑے؟ سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: رسول اللہ ﷺ بھی اسی طرح اس حدیث کے بیان کرتے وقت ہنس پڑے تھے، اس وقت لوگوں نے آپ ﷺ سے دریافت کیا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ! آپ کیوں ہنس پڑے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ رب العالمین کو اس طرح ہنستے ہوئے دیکھ کر مجھے بھی ہنسی آئی، جب بندہ یہ کہے گا، آپ سارے جہاں کے پروردگار ہوتے ہوئے بھی مذاق فرماتے ہیں، اللہ تعالیٰ فرمائے گا میں مذاق نہیں کرتا، میں ہر چیز پر قادر ہوں، جو چاہتا ہوں کر سکتا ہوں، یعنی دنیا اور دنیا کے برابر دنیا میرے نزدیک کوئی مشکل بات انہیں صرف کُن کہہ دینے سے لاکھوں دنیا پیدا کر سکتا ہوں۔

(مسند احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ: حدیث نمبر:3714)

سیدنا ابو لبابہ رضی اللہ عنہ کی مغفرت کی تعلق سے سورۂ انفال کی آیت نازل ہوئی تو رسول اکرم ﷺ خوشی سے مسکرا دیئے!

غزوات رسول ﷺ میں سے غزوۂ بدر بہت مشہور ہے، سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"اللہ تعالیٰ نے اہل بدر کو دیکھا اور فرمایا (اے اہل بدر)! اب تم جو چاہو کرو میں تم کو بخش چکا ہوں۔"

(سنن ابو داؤد)

حق و باطل کے اس معرکہ کے لیے مسلمان نکلے تو سواریوں کی بہت قلت تھی، ایک سواری میں تین تین مجاہد حصہ دار تھے، حضور ﷺ کی سواری کی بھی یہی حالت تھی، اس سفر میں چشم فلک نے ایک عجیب نظارہ دیکھا کہ سیدنا ابو لبابہ رضی اللہ عنہ جو رحمت عالم ﷺ کی سواری میں حصے دار تھے، امام الانبیاء ﷺ نے انہیں اپنے اونٹ پر سوار کر رکھا ہے اور خود پیدل چل رہے ہیں، غلام بار بار عرض کرتا ہے، میرے ماں باپ آپ پر قربان! آپ سوار ہو جائیے، میں پیدل چلتا ہوں، نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

"نہیں بھائی، اب سوار ہونے کی تمہاری باری ہے اور تم مجھ سے زیادہ پیدل نہیں چل سکتے اور پھر میں بھی تو حق کی راہ میں پیدل چلنے کے ثواب سے محروم نہیں رہنا چاہتا۔"

ابھی کچھ سفر بھی کیا تھا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"ابو لبابہ تم مدینہ واپس چلے جاؤ اور وہاں رہ کر میری نیابت کا فرض ادا کرو۔"

سیدنا ابو لبابہ رضی اللہ عنہ کا شمار عظیم صحابہ میں ہوتا ہے، آپ ﷺ کے مقام و مرتبہ کا کیا کہنا کہ سرور عالم ﷺ کی نیابت کا شرف نصیب ہوا، حضور ﷺ کی سواری میں حصہ دار ٹھہرے۔ حضور ﷺ نے خود پیدل چل کر ان کو سوار کرایا۔

سیدنا ابو لبابہ رضی اللہ عنہ عہد رسالت کے تقریباً تمام غزوات میں شریک رہے، غزوۂ احزاب کے موقع پر ان سے ایک عجیب واقعہ پیش آیا، جس سے ان کو بہت شہرت ملی۔

امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ اور امام زہری رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے کہ

"جب بنو قریظہ کے یہودی گھر گئے تو ان کو قلعہ سے اترنے کا حکم دیا گیا تو انہوں نے سیدنا ابو لبابہ رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا کہ ہم سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے حکم پر اتر آئیں تو سیدنا ابو لبابہ رضی اللہ عنہ نے اپنے گلے کی طرف اشارہ کیا کہ ایسا کرنے سے قتل کر دیے جاؤ گے پھر اسی وقت سیدنا ابو لبابہ رضی اللہ عنہ کو احساس ہوا کہ جنگی راز فاش کر دیا ہے، اب اگر یہودی یہ جان کر کہ ہم تو مر رہے ہیں اگر کوئی قدم اٹھائیں اور اس سے مسلمانوں کو کوئی نقصان ہو جائے تو اس کا گناہ مجھ پر ہوگا، اسی خیال سے یہ کانپ اٹھے اور حضور ﷺ کو منہ دکھانے کی ہمت نہ ہوئی تو روتے ہوئے سیدھے مسجد نبوی میں پہنچے اور خود کو ستون کے ساتھ باندھ لیا، رو رو کر آنکھیں سوجھ گئیں، نو روز تک باندھے رہے۔

ارباب سیر کا بیان کا ہے کہ بعض دفعہ روتے روتے بے ہوش ہو جاتے، نظر کمزور ہو گئی اور کان بہرے ہو گئے، نبی ﷺ کو جب ساری صورتحال کا علم ہوا تو فرمایا: اب تو جو ہو سو ہو، اگر ابو لبابہ (رضی اللہ عنہ) میرے پاس آ جاتے ہیں، ان کے لیے مغفرت کی دعا کرتا، آخر رحمت الٰہی جوش میں آئی تو ان کی توبہ قبول ہو گئی۔ اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ پر آیت اتاری:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَخُونُوا اللَّهَ وَالرَّسُولَ وَتَخُونُوا أَمَانَاتِكُمْ وَأَنتُمْ تَعْلَمُونَ﴾

"اے مسلمانو! اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی خیانت نہ کرو اور اپنی (آپس کی) امانتوں میں بھی اور تم جانتے ہو۔" (سورۃ انفال:27)

جب یہ آیت اتری تو اس وقت رسول اللہ ﷺ سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے حجرے میں تھے، اس آیت کے نازل ہونے پر رسول اللہ ﷺ خوشی سے مسکرا دیئے، سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے جب نبی کریم ﷺ کو مسکراتا ہوا دیکھا تو عرض کیا، میرے ماں باپ آپ ﷺ پر قربان ہوں، اللہ تعالیٰ آپ کو ہمیشہ مسکراتا رکھے، جناب کے مسکرانے کی وجہ کیا ہے، آپ ﷺ نے فرمایا:

"اللہ تعالیٰ نے ابو لبابہ رضی اللہ عنہ کی توبہ قبول کر لی ہے۔"

ام المؤمنین نے عرض کیا، اگر اجازت ہو یہ خوشخبری میں ابو لبابہ رضی اللہ عنہ کو سنا دوں، سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا حجرہ مسجد نبوی کے قریب ہی تھا، انہوں نے وہیں سے پکارا، ابو لبابہ مبارک ہو، اللہ تعالیٰ نے تمہاری توبہ قبول فرمالی ہے، یہ خبر آناً فاناً سارے شہر میں پھیل گئی، لوگ انہیں مبارک باد دینے اور ستون سے کھولنے کے لیے دوڑے، جب لوگ آپ کی رسیاں کھولنے لگے تو انہوں نے منع کر دیا اور کہا کہ

"جب تک خود رسول اللہ ﷺ مجھے آ کر نہ کھولیں میں بندھا رہوں گا، آخر خود رسول اللہ ﷺ آئے اور اپنے دست مبارک سے ابو لبابہ رضی اللہ عنہ کو آزاد کیا۔"

(قصہ غزوۂ بدر، البدایہ والنہایہ: 3/269؛ قصہ بنو قریظہ، البدیہ والنہایہ:4/144)

☆☆☆



مثال کے طور پر سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے خود کو اہل حدیث کہا۔(اصابہ:4/204؛تذکرۃ الحفاظ:1/29،تاریخ بغداد:9/ 467،سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کو اہل حدیث کہا گیا۔ تاریخ بغداد للخطیب:3/ 227؛9/154؛ سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

إنکم خلو فنا و أهل الحد يث بعدنا، (شرف اصحاب الحدیث، خطیب: ص 21) کہ ہمارے بعد تم (تابعی) اہل حدیث ہو: امام شعبی نے پانچ سو صحابہ کو دیکھا اور 48 صحابیوں سے حدیثیں پڑھی تھیں، تمام صحابہ کو اہل حدیث کہا ہے۔(تذکرۃ الحفاظ:1/74) خود امام شعبی رحمۃ اللہ علیہ تابعی کا اہلحدیث ہونا۔ (تاریخ بغداد ج3ص227،ج9ص154میں بایں الفاظ مرقوم ہے۔)

وکان ابن شهاب اعلم عند أهل الحديث بالمدينة من غيره

"مدینہ میں جو اہلحدیث ہوئے ان میں سب سے بڑے عالم زہری تھے۔" (موطاامام محمد۔کارخانہ نور محمد اصح المطابع: ص 363)؛سفیان ثوری تبع تابعی کا اہل حدیث ہونا۔ (تاریخ بغداد: 3/227؛ 9/ 154) میں موجود ہے، نیز ان کا ارشاد ہے کہ اہل حدیث روئے زمین کے نگہبان ہیں۔(مفتاح الجنۃ للسیوطی: 49 و شرف اصحاب الحدیث: 45؛ اور امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق بھی کتاب اصول الدین میں لکھا ہے: أصل أبي حنيفة في الكلام كأصول أصحا ب الحديث۔ج1ص312 کہ امام صاحب کے اصول (عقائد وذم تقلید میں) اہل حدیث کے اصول ہیں؛ سفیان بن عینیہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ مجھے پہلے پہل امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے اہل حدیث بنایا ہے (یہ الفاظ مولوی فقیر محمد جہلمی حنفی کی کتاب حدائق الحنفیہ ص 134 طبع نولکشور کے ہیں)؛ غایۃ الاوطار میں ہے کہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ جب بغداد آئے تو اہلحدیث نے سوال کیا کہ رطب کی بیع تمر سے جائز ہے یا نہیں؟(ترجمہ درمختار مطبوعہ نولکشورج3ص130)

حضرۃ الامام ابو حنیفہ کا فرمان: إذا صحّ الحديث فهو مذهبي ان کے بعض مقلدین کو ہضم نہیں ہوتا اور وہ الٹا اہل حدیث پر تنقید کرتے ہیں کہ یہ فرمان پیش کیوں کیا جاتا ہے، جیسا کہ کسی نے لکھا ہے: "فتنہ پرور غیر مقلدین عوام کو دھوکہ دینے کے لئے ارشاد امام ابی حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ بڑے زور شور سے پیش کرتے ہیں: إذا صح الحد يث فهو مذهبي یعنی جب صحیح حدیث سامنے آجائے تو وہی میرا مذہب ہے۔ مگر مقلدین ابی حنیفہ اپنے امام کی اس بات کو نظر انداز کر کے قیاس ورائے ابی حنیفہ کو حدیث صحیح کے بالمقابل اپنا مذہب بنائے ہوئے ہیں، حالانکہ غیر مقلدین کی بات محض تلبیس اور حقیقت سے قصداً روگردانی ہے۔ اس کا مطلب ہرگز یہ نہیں کہ جہاں بھی صحیح حدیث نظر آجائے اس پر عمل کر لیں۔ یہ کسی کا بھی مذہب نہیں اس لئے کہ بہت سی احادیث صحیحہ متعارض ہیں ان میں تطبیق یا ترجیح یا تنسیخ کا پتہ مجتہد ہی لگا سکتا ہے، ذخیرہ حدیث کا ادنی سا مطالعہ کرنے والا بھی اسے جانتا ہے۔ (تحریک لامذہبیت غیر مقلدیت، سلفیت دور حاضر میں افتراق بین المسلمین کی سب سے خطرناک عالم گیر مہم۔ از مفتی سید محمد سلمان منصور پوری استاد مدرسہ شاہی مراد آباد، ص 11۔12 ملخصًا۔ (جائزہ تحفظ سنت کانفرنس۔رئیس ندوی۔ص614)

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ (جو تبع تابعی ہیں) بھی اہل حدیث تھے۔ امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی صحیح کے مقدمہ میں صفحہ 23 پر آپ کو ائمہ اہل حدیث میں شمار کیا ہے اور وہیب نے آپ کو امام اہل الحدیث کہا ہے۔(تذکرۃ الحفاظ۔ج1ص188)

تبع تابعین کے بعد کے ائمہ میں سے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق منہاج السنۃ میں ہے: أخذ مذهب أهل الحديث و اختار لنفسه۔ج4ص143، کہ انہوں نے اپنے لئے اہل حدیث کا مذہب پسند کیا تھا۔ تہذیب نووی میں ہے:نشر علم الحديث و أقام مذهب أهله (ج1ص47) کہ آپ نے علم حدیث کو پھیلایا اور مذہب اہل حدیث قائم کیا۔ آپ لوگوں سے کہتے: "عليكم بأصحاب الحديث فإنهم أكثر صواباً من غيرهم(توالی التاسیس مصری:ص64) کہ تم اہل حدیثوں کے پاس جاؤ ،یہ لوگ دوسروں سے زیادہ صواب پر ہیں۔

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کو قتیبہ بن سعید رحمۃ اللہ علیہ نے اہلحدیث کہا ہے۔ (شرف اصحاب الحدیث:ص 74) اور منہاج السنہ میں ہے: كان على مذهب أهل الحديث۔ اور طبقات الحنابلہ میں ہے:أحمد رجل من أهل الحديث(ص8طبع دمشق)۔ایک دفعہ آپ سے فرقہ ناجیہ کا پوچھا گیا تو فرمایا: إن لم يكونوا أصحاب الحديث فلا أدرى منهم۔(شرف اصحاب الحدیث:ص24)

امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کو ابن معین نے صاحب حدیث اور صاحب سنت کہا ہے۔ (تذکرۃ الحفاظ: 1/267)؛ تاریخ بغداد میں ہے: یحب أصحاب الحدیث و یمیل إلیھم (ج14 ص255) کہ آپ اہل حدیث سے محبت رکھتے تھے اور انہیں کی طرف مائل تھے۔ آپ نے اہلحدیثوں کو اپنے دروازے پر جمع دیکھ کر فرمایا تھا: ما علی الأرض خیر منکم۔ (شرف اصحاب الحدیث للخطیب، ص 51) کہ روئے زمین پر تم اہل حدیثوں سے بہتر اور کوئی نہیں۔

اسماء البلاد

سندھ و ہند کے وہ بلاد و امصار جن کے نام اسلام کی ابتدائی تاریخ سندھ سے متعلق لٹریچر میں وارد ہوئے ہیں وہ شہر قصبات یا علاقے عام طور پر اب اپنے پرانے ناموں سے پہچانے نہیں جاتے۔ ان میں سے کئی ایک تو ویسے ہی نسیاً منسیاً ہو چکے ہیں۔ کئی ایک اب مختلف ناموں سے پہچانے جاتے ہیں۔ یہاں چند اسماء البلاد کی وضاحت کر کے بتانے کی کوشش کی گئی ہے کہ وہ آج کے قاری انہیں کن ناموں سے پہچان سکتے ہیں۔

☆**ارمائیل۔** بلوچستان میں مکران اور دیبل کے وسط میں سمندر سے کچھ دور ہے اب اسے ارمن بیلہ کہتے ہیں، قلات میں ضلع لس بیلہ کا صدر مقام ہے، کراچی سے تقریباً 70 میل شمال میں۔

☆**الور**، سندھی زبان میں آج کل اس کو اڑوڑ کہتے ہیں۔ روہڑی سٹیشن سے 4 میل جنوب میں واقع ہے کھنڈرات دور دور تک پھیلے ہوئے ہیں اور یہاں ایک جدید العہد گاؤں آباد ہے۔ (الرور، الور، سندھ کا قدیم شہر تھا یہاں پر رائے خاندان کی حکومت تھی عرب اس کو عام طور پر الرور لکھتے ہیں۔ یہ شہر دریائے سندھ کے ساحل پر باغات اور چشموں کے درمیان بڑے پُر فضا مقام پر واقع تھا۔ الور کی حکومت قدیم زمانے میں بہت بڑی تھی، مشرق میں کشمیر و قنوج تک، مغرب میں دیبل اور ساحل سمندر تک، جنوب میں گجرات اور سورت تک اور شمال میں قندھار کرمان جبل سلیمان اور گیگان (قلات) تک اس کی عملداری تھی۔ (ہندوستان میں عربوں کی حکومتیں: ص131) ہماری دور میں الور کی آبادی ملتان کے برابر تھی، شہر کے گرد دو پناہ گاہیں تھیں، بحری تجارت کا مرکز تھا۔ دریائے سندھ سامنے تھا، تاجر یہاں تجارت کے لئے ٹھہرتے تھے۔ یاقوت حموی کا بیان ہے کہ الور تجارت کی جگہ اور اطراف کے شہروں کی بندرگاہ ہے۔ الور بہت بڑا شہر تھا، وہاں مسلمانوں کی بہت زیادہ آبادی تھی، الور کے ایک راجہ کا نام قرآن کریم کے تراجم کے سلسلے میں آتا ہے۔

☆**بھاڑ بھوت:** بھڑوچ سے سات میل مغرب کی جانب ایک کچی بندرگاہ تھی۔ جہاں جہاز سمندر کے مد و جذر کے ساتھ آتے جاتے تھے۔

☆ **برہمن آباد:** سندھ میں ایک چھوٹا سا گاؤں بامنّا بھی ہے شاید برہمن آباد کی بگڑی شکل ہو۔ سندھ میں بہنوا نامی ایک قدیم شہر تھا جسے عرب سیاح اور جغرافیہ نویس برہمنا آباد لکھتے ہیں۔ آخر میں یہ شہر بالکل ویران ہو گیا تھا۔ اس ویرانہ سے دو فرسخ دور منصورہ شہر آباد کیا گیا۔

☆**بوقان:** قاضی مبارک پوری بتاتے ہیں کہ بوقان، سندھ کے ان شہروں میں سے تھا جہاں قدیم زمانہ سے مسلمان آباد تھے بلاذری نے تیسری ہجری کے وسط میں لکھا: أھل البوقان الیوم مسلمون (بوقان کے باشندے ہمارے زمانہ میں مسلمان ہیں۔ فتوح البلدان ص 423) اسی کے آس پاس عباسی گورنر عمران بن موسیٰ نے بیضاء نامی شہر آباد کیا تھا۔

☆**بیرون یا نیرون:** سندھ کے بڑے شہروں میں دیبل اور منصورہ کے درمیان واقع تھا، تجارتی بندرگاہ تھا شہر دیبل سے چار مرحلہ اور منصورہ سے پندرہ فرسخ پر تھا۔ محمد بن قاسم کے ہاتھوں صلحاً فتح ہوا۔ یہ شہر موجودہ حیدر آباد کے پاس تھا۔ (ہندوستان میں عربوں کی حکومتیں: ص133) سمندر سے نکلی ہوئی کھاری پانی کی خلیج اس کے آس پاس سے گذرتی تھی۔ بیرون کی اصل شکل نیرون ہے اور حیدر آباد (سندھ) اس کا جدید نام ہے۔

☆**بیضاء:** اس شہر کو عمران برمکی نے بوقان کے قریب ضلع بودھیہ میں آباد کیا تھا۔ یہ علاقہ دریائے سندھ کے مغربی جانب واقع تھا۔ اس علاقے میں زیادہ تر جاٹ آباد تھے۔ یہ شہر عمران برمکی نے 220ھ (1835-836ء) میں اس وقت آباد کیا تھا جب کہ اس نواح کے جاٹوں نے بغاوت کی تھی۔ وہ بڑی تیزی سے فوج لے کر ان کے مقابلے کے لئے قیقان (قلات) پہنچا اور ان کو شکست دے کر حفاظتی نقطہ نظر سے یہ شہر آباد کیا اور اس میں مستقل چھاؤنی قائم کی تاکہ ہر وقت فوج تیار رہے۔ اس شہر کا تذکرہ صرف بلاذری کی فتوح البلدان میں ملتا ہے۔ قیاس چاہتا ہے کہ اس شہر نے کوئی ترقی نہیں کی اور اس کی حیثیت صرف ایک چھاؤنی کی رہی۔ (تاریخ سندھ، قدوسی: ص311)

☆**بیلمان:** بھیلمان کا معرب ہے، گجرات میں بھیل اور گوجر قوم کا دار الحکومت تھا۔

☆**دیبل:** بکری نے معجم ما استعجم میں لکھا ہے، دیبل سندھ کا مشہور شہر ہے، اسے دیبلان بھی کہتے ہیں۔ دیبل میں زلزلے آتے رہے، کئی مرتبہ تباہ ہوا۔ دیبل کو آج کل بھمبور کہتے ہیں، یہ لب ساحل ٹیلہ ہے۔ کچھ عرصہ قبل اس کی کھدائی ہوئی تو ایک مسجد نکلی جس پر ایک کتبہ 109 ہجری کا ہے۔ کراچی سے 32 میل جنوب میں واقع ہے۔ بلاذری کے مطابق 15ھ میں عمان اور بحرین کے حاکم مغیرہ بن

ابوالعاص ثقفی نے اپنے بھائی عثمان کو خلیج دیبل پر چڑھائی کے لئے بھیجا تھا۔ الہند فی العہد الاسلامی کے صفحہ 134 پر ہے کہ محمد بن قاسم نے دیبل فتح کرنے کے بعد وہاں ایک مسجد تعمیر کی جسے 4 ہزار بچوں کی تعلیم کا مرکز کہا جاتا ہے اور وہ پنڈت جو اس سے قبل قیدیوں کی نگرانی کرتا تھا محمد بن قاسم کے ہاتھ پر مسلمان ہو گیا تھا۔ اسے دیبل کا نائب مقرر کیا گیا۔ قاضی مبارکپوری لکھتے ہیں کہ دیبل کا شہر سندھ میں محدثین اور رواۃ حدیث کا سب سے پہلا اور اہم مرکز تھا۔ یاقوت حموی کے مطابق شہر دیبل کی جانب حدیث کے راویوں کی ایک جماعت منسوب ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ یہاں پر حدیث کی تعلیم و روایت عام تھی۔ خطیب بغدادی نے تاریخ بغداد میں امام خلف بن محمد موازینی دیبلی کے ذکر میں امام علی بن موسی دیبلی کی درس گاہ کی نشان دہی کی ہے جو دیبل میں تھی جس میں امام خلف بن محمد دیبلی نے اپنے شیخ امام علی بن موسی سے حدیث پڑھی۔ خلف بن محمد کا بیان ہے حدثنا علی بن موسی الدیبلی بالدیبل (علی بن موسی دیبلی نے ہم کو دیبل میں حدیث کی تعلیم دی)۔ دیبل ساحلی شہر تھا اور ہند و عرب کی تجارت کا اہم مرکز تھا اس لئے یہاں کے بعض محدثین تاجر بھی تھے چنانچہ ابو محمد حسن بن حامد دیبلی بغدادی جو علم حدیث میں اہم مقام کے مالک تھے بغداد کے بڑے تاجروں میں سے تھے۔ خطیب بغدادی نے ان کے بارے میں لکھاہے: و کان صدوقاً وکان تاجراً مولاً (وہ حدیث میں صدوق اور مالدار تاجر تھے) بغداد میں ان کی سرائے خان حامد کے نام سے مشہور تھی۔

☆**رن کچھ:** گجرات کاٹھیاواڑ اور راجستھان کی سرحد پر۔

☆**سیوستان:** سیوہن ضلع دادو میں لعل شہباز کے مزار کی وجہ سے مشہور ہے۔

☆**مکران:** کسی خاص شہر یا مقام کا نہیں بلکہ پورے ساحلی علاقے کا نام ہے جس کے دو واضح حصے ہیں، ایک بلاد و امصار کا حصہ جو اپنے علاقائی ناموں سے مشہور ہے، مثلاً کیز، تیز، قنزپور، بند، قصر قند، درک، فلہفرہ، ارمائیل، قنبلی۔ نیز مکران میں بڑے علاقے بھی ہیں مثلاً خروج، جس کا مرکزی شہر راسک ہے، دوسرے علاقے کا نام جدران، تیسرے کا مشکی جو کرمان کی سمت ہے۔ یہ نام اصطخری نے 340ھ کے بتائے ہیں۔ مقدسی نے 375ھ کے یہ بتائے ہیں بنجپور جو یہاں کا صدر مقام ہے اور مشکہ، کیج، سرائے شہر، بربور، خواش، ومندان، جالک، دزک، دشت علی اور تیز۔

☆**قندابیل** سندھ کا بڑا شہر تھا خارجیوں کا مرکز رہا۔

☆ قندھار کو ہندی میں گندھار کہتے ہیں اور یہ پشاور اور راولپنڈی کے علاقوں کی ریاست کا پرانا نام تھا یہاں بدھ مت کو فروغ ہوا تھا یہاں کی گندھارا تہذیب مشہور ہے۔ افغانستان میں بھی ایک شہر کا نام قندھار ہے عربوں کے حملوں میں وہی مقصود ہے۔ گجرات کے ضلع میں بھڑوچ میں بھی گندھارا نام کی ایک قدیم بندرگاہ اور بستی ہے۔ بروص (بھڑوچ) اور باربد (بھاربھوت) کی فتوحات کے سلسلے میں بلاذری نے اسی گندھارا کو قندھار لکھا ہے۔

☆**قیقان:** قدیم زمانے میں قلات کا کوئی مقام تھا، اب قلات ڈویژن میں واقع ہے اس کو گنڈاوہ کہتے ہیں۔ ضلع ہے، درہ بولان اسی میں واقع ہے۔

☆**قصدار یا قزدار:** طوران کا مرکزی شہر تھا اسے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور میں سنان بن سلمہ ہذلی نے فتح کیا تھا۔ چھوٹا قلعہ چھوٹے باغات، لیکن نفع بخش تجارتی شہر تھا۔ خوارج کا مرکز رہ چکا ہے۔ دار البیضاء اسکے پاس ہی آباد تھا۔ آج کل اس کو خضدار کہتے ہیں یہ قلات ڈویژن کا جدید مرکز ہے۔

☆**ملتان:** اصطخری نے لکھا ہے کہ ملتان اپنی آبادی اور عمارت کے اعتبار سے منصورہ کا نصف ہے۔ مقدسی بشاری نے لکھا ہے کہ ملتان منصورہ کے مانند ہے البتہ منصورہ زیادہ آباد ہے، یہاں میوے اور پھل زیادہ نہیں ہیں، البتہ ارزانی بہت ہے۔ (ہندوستان میں عربوں کی حکومتیں: ص241)

☆**منصورہ:** سندھ کے ضلع سانگھڑ کے شہر شہداد پور سے 9 میل مشرق میں جمڑاؤ نہر ہے۔ اس نہر سے 2 میل پر منصورہ کے وسیع و عریض کھنڈر ہیں 1965ء میں یہاں کھدائی ہوئی۔ اب اس کو دلور کہتے ہیں۔ (ہندوستان میں عربوں کی حکومتیں: ص75-76) سندھ کا پایہ تخت پہلے ارور تھا لیکن حکم بن عوانہ کلبی والی سندھ (ف 121ھ) نے سندھ ندی کے مشرقی جانب ایک شہر محفوظہ کے نام سے آباد کر کے پایۂ تخت بنایا۔ تقریباً اسی سال محمد بن قاسم کے لڑکے عمر بن محمد نے جو حکم بن عوانہ کے ماتحت رسالوں کا افسر تھا، ایک اور مقام پر اس نے ایک شہر کی بنیاد رکھی جس کا نام بطور فال نیک کے اس نے منصورہ رکھا کیونکہ وہ دشمنوں پر فتح پا کر واپس آیا تھا۔ رفتہ رفتہ یہ شہر بڑا بارونق بن گیا اور آخر میں یہی دار السلطنت قرار پایا۔ (دسنوی: ص194)

دیبل کے بعد بحری تجارت کا دوسرا مرکز منصورہ تھا جو دریائے سندھ سے نکلی ہوئی ایک خلیج کے درمیان جزیرہ نما کی شکل میں تھا۔ یاقوت کا بیان ہے کہ خلیج منصورہ دریائے سندھ سے نکلی ہے جو شہر کے اطراف سے بہتی ہے سمندر سے آنے والے تجارتی سامان دریائے سندھ میں لائے جاتے ہیں پھر وہاں سے کشتیوں کے ذریعہ خلیج منصورہ پہنچائے جاتے ہیں۔ دریا سندھ دو حصوں میں تقسیم ہو کر ایک حصہ مغرب میں منصورہ کی پشت سے ہو کر گذرتا تھا، دوسرا شمال

مغرب کی طرف منصورہ کے پیچھے بارہ میل پر بہتا تھا۔
ایک روایت کے مطابق ابو جعفر منصور کے زمانہ میں سندھ کے عامل عمرو بن حفص ہزار مرد نے یہ شہر آباد کر کے خلیفہ منصور کے نام پر اس کا نام منصورہ رکھا مگر یہ روایت صحیح نہیں معلوم ہوتی۔ مسعودی کا بیان ہے کہ سندھ کے اموی عامل منصور بن جمہور کے نام پر اس کا نام منصورہ رکھا گیا، مگر منصور بن جمہور کی آمد سے پہلے منصورہ آباد ہو چکا تھا، چنانچہ اس نے منصورہ ہی میں رہ کر عباسی خلافت کے خلاف سرکشی کی تو 134ھ میں ابو العباس سفاح نے اس کی سرکوبی کے لئے موسیٰ بن کعب تمیمی کو سندھ کا مستقل حاکم بنایا اس نے سب سے پہلے منصورہ کی مرمت کرائی اور یہاں کی مسجد کو وسیع کیا۔ (فتوح البلدان: 431/3)

مقدسی بشاری کے مطابق (جو ہباریوں کے زوال سے تقریباً 40 سال پہلے منصورہ آیا) منصورہ اقلیم سندھ کا سب سے بڑا شہر ہے اس کی وسعت دمشق کے برابر ہے۔ مکانات لکڑی اور مٹی کے ہیں۔ جامع مسجد بازاروں کے وسط میں واقع ہے جو پتھر اور اینٹ سے بنی ہے۔ اس کے ستون ساگوان کے ہیں اور لمبائی چوڑائی میں عمان کی جامع مسجد کے برابر ہے۔ شہر منصورہ کے چاروں طرف چار دروازے ہیں۔ باب البحر، باب طوران، باب سندان، باب ملتان (احسن التقاسیم)۔ منصورہ کسی نہ کسی شکل میں 643ھ تک باقی رہا۔ (ہندوستان میں عربوں کی حکومتیں: ص125-128)

فتح سندھ کا پس منظر

اس مقام پر اکبر شاہ نجیب آبادی کے آئینہ حقیقت نما سے ایک طویل تحریر ملخصاً نقل کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے جس میں فتح سندھ کا پس منظر، ان مہمات میں حصہ لینے والے افراد اور مہلب بن ابی صفرہ کی فتح ملتان بھی ذکر ہے۔ لکھتے ہیں:

جس زمانے میں ایرانیوں اور مسلمانوں کی لڑائیاں شروع ہوئیں اس زمانے میں سندھ اور ایران کے درمیان صلح تھی مگر اس سے پہلے ایرانی سلطنت کے صوبہ حصیر کا گورنر ہرمز سندھ کے ساحل پر بار بار حملہ آور ہوتا رہا اور یہاں سے بہت سے آدمیوں کو پکڑ کر لے گیا۔ یہ لوگ جاٹ تھے۔ ہرمز کے پاس ایک بڑی فوج انہی اسیران جنگ کی فراہم کردہ تھی۔ جنگ ذات السلاسل میں جو 12ھ میں (عہد صدیقی میں ہوئی) پہلی مرتبہ ہند کے جاٹ مسلمانوں کے قیدی بنے، پھر بخوشی مسلمان ہوئے۔

جنگ ذات السلاسل کے دو برس بعد جنگ قادسیہ ہوئی جس میں ایرانیوں کی طرف سے سندھ کے راجہ کی فوج نے بھی حصہ لیا جس میں ہاتھی بھی شامل تھے۔ جنگ قادسیہ کے بعد جنگ نہاوند کا واقعہ ہوا۔ ایرانی گورنر ہرمزان نے جاٹوں کو بھی اپنی فوج میں بھرتی کیا، اور سندھ کے راجہ سے بھی مدد لی لیکن شکست کھا کر تستر پہنچا۔ وہاں سیدنا ابوموسیٰ اشعری ؓ نے اس کا محاصرہ کیا اور سندھی فوج یعنی جاٹوں سے مذاکرات کئے اور خلیفہ کی منظوری سے ان کی شرائط مان کر اپنے ساتھ ملا لیا۔ (بعد میں ہرمزان گرفتار ہوا اور اس نے مدینہ پہنچ کر اسلام قبول کر لیا)۔ یہ جاٹ ان جاٹوں کے ساتھ مل کر جو 12ھ میں مسلمان ہو چکے تھے، عراق میں مقیم ہو گئے (اور عرب قبائل کے ساتھ دوستی اور مواخاۃ قائم کر لی یہ لوگ قوم زط کے نام سے مشہور ہوئے۔ سیدنا علی ؓ کے دور میں بصرہ کے خزانہ کا محافظ دستہ اسی قوم زط سے تھا)۔

بعد میں کسریٰ کی سلطنت ختم ہو گئی اور سندھیوں نے چونکہ نہاوند، ذات السلاسل، قادسیہ اور مکران میں مسلمانوں کا مقابلہ کیا تھا اس لئے ان پر حملے کا جواز پیدا ہو چکا تھا تاہم سیدنا عمر ؓ نے ایسا کرنا مناسب نہ سمجھا۔ سیدنا عثمان ؓ کے دور میں بصرہ کے حاکم عبد اللہ بن عامر نے عبد الرحمن بن سمرہ عامل مکران کو اجازت دی کہ سندھی فوج کو جو راجہ چچ کے سبب سرحد مکران پر جمع ہو کر حملہ کی دھمکی دے رہی تھی، نکال دے۔ چنانچہ عبد الرحمن بن سمرہ نے سندھی فوجوں کو بھگا دیا اور مکران سے سرحد کیکان تک کا تمام علاقہ چھین لیا۔ پھر اسی مفتوحہ علاقے میں (جسکی مشرقی سرحد بلوچستان کے مشرقی پہاڑوں پر ختم ہوتی تھی) ایک بغاوت برپا ہوئی جس کو سندھ کے راجہ نے امداد پہنچائی۔ اس بغاوت کو فرو کرنے کے لئے 38ھ میں حارث بن مرّہ نامی سردار نے عامل مکران کے حکم سے ایک ہزار سواروں سے حملہ کیا اور دشمن کو شکست دے کر امن و امان بحال کیا۔ 41ھ۔42ھ میں پھر اس علاقے میں سرکشی کے آثار نظر آئے تو سیدنا امیر معاویہ ؓ نے عبد اللہ بن سوار عبدی ؓ کو چار ہزار سپاہیوں کے ساتھ بطور سرحدی محافظ دستہ کے مشرقی سرحد پر قیام کا حکم دیا۔ یہاں باغیوں نے انہیں شہید کر دیا۔ اس کے بعد سنان بن سلمہ مقرر ہوئے کچھ دنوں بعد راشد بن عمر مقرر ہوئے۔ راشد ایک معرکہ میں شہید ہوئے اور سنان دوبارہ مامور ہوئے۔

کابل اور قندھار کے باغیوں نے سندھ کے راجہ کی عملداری میں پناہ لی تو 44ھ میں مہلب بن ابی صفرہ کابل سے دریائے سندھ کے کنارے تک آئے اور ان کا تعاقب ملتان (جو سلطنت سندھ کا حصہ تھا) تک کیا، پھر ان کو حکم بن عمرو غفاری کی طلب پر یہاں واپس جا کر بلخ اور ماوراء النہر کی مہموں میں شریک ہونا پڑا۔ یوں مہلب والا حملہ سندھ مؤثر نہ ہو سکا، تاہم مسلمانوں نے بلوچستان کے اس حصہ کو جو مکران سے کیکان تک وسیع تھا اپنے قبضہ میں رکھا اور چونکہ کچھ دنوں یہ علاقہ سندھ کے راجہ چچ کی حکومت میں رہ چکا تھا اس لئے وہ اس علاقہ کو ملک سندھ کے نام سے تعبیر کرتے اور یہاں کے عاملوں کو ملک سندھ کا عامل کہتے رہے۔ راجہ چچ 55ھ میں فوت ہوا۔ اس کا جانشین راجہ چندر مسلمانوں کے ساتھ مصالحانہ رویہ رکھتا تھا اس لئے اس کے دور میں (یعنی 63ھ تک) مسلمانوں نے سندھ پر کوئی حملہ نہیں کیا۔ (63ھ میں راجہ داہر حکمران ہوا)۔

☆☆☆



بادشاہی مسجد میں تحریک ختم نبوت(1974) کے سلسلہ کے آخری اجتماع کا آنکھوں دیکھا حال

سات ستمبر1974 کو پاکستانی پارلیمنٹ نے مکمل تحقیق و بحث اور فریقین کے دلائل سننے کے بعد علی وجہ البصیرت متفقہ طور پر قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دے دیا جو تاریخ مذاہب کا ایک عظیم الشان فیصلہ تھا۔ اس سلسلہ میں گزشتہ چار پانچ ماہ سے مسلسل عوامی تحریک چل رہی تھی۔ جو دن بدن روز افزوں تھی کہ قادیانیوں کو غیر مسلم قرار دیا جائے، ربوہ کو کھلا شہر قرار دیا جائے اور تمام قادیانیوں کو حکومت کے کلیدی عہدوں سے علیحدہ کیا جائے۔ اسلامی جمہوریہ پاکستان کی قومی اسمبلی نے مکمل بحث مباحثہ اور چھان بین کرکے فیصلے کیلئے 7 ستمبر کا دن متعین کر دیا تھا۔ تحریک تحفظ ختم نبوت کے سلسلہ کا آخری عوامی اجتماع ے۔ستمبر سے غالباً دو دن پہلے (حتمی تاریخ یاد نہیں) باد شاہی مسجد میں منعقد ہوا۔ جس سے تمام قائدین نے خطاب کرنا تھا۔ میں ان دنوں لاہور میں زیر تعلیم تھا تحریک کی وجہ سے ساری تعلیمی سرگرمیاں معطل تھیں، جہاں بھی کوئی جلسہ ہوتا ہم سب ساتھی وہاں پہنچ جاتے۔ کسی بھی تحریک کی کامیابی کیلئے اہل لاہور کا شامل ہونا اس کی کامیابی کی دلیل سمجھا جاتا تھا۔ روزانہ کہیں نہ کہیں جلسہ منعقد ہوتا تھا۔ آج کا جلسہ ایک آخری جلسہ تھا اور تحریک کے سبھی نامور قائدین مدعو تھے۔ مولانا سید یوسف بنوری ، مولانا ابوالاعلیٰ مودودی، مولانا مفتی محمود، بطل حریت آغا شورش کاشمیری، مولانا شاہ احمد نورانی، شیر دل نوجوان قائد علامہ احسان الٰہی ظہیر، علامہ سید مظفر علی شمسی جیسے اکابر و قائدین کے خطاب کا پروگرام تھا۔ مقررین اور حاضرین مجلس سبھی جذبہ حب ناموس رسالت سے سرشار تھے ۔ اس لیے بڑے شوق کیساتھ ہی ہم پیدل شاہی مسجد پہنچ گئے جو ہمارے گھر سے تین فرلانگ کے فاصلے پر تھی، عظیم الشان مسجد کھچا کھچ بھری ہوئی تھی، ہم بچتے بچاتے اگلی صف میں بالکل سٹیج کے عین سامنے پہنچنے میں کامیاب ہوگئے۔ مختلف قائدین کے خطابات ہوتے رہے ۔بانی جماعت اسلامی مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی بہت دھیمے لہجے میں گفتگو کر رہے تھے ۔ مولانا مودودی کا خطاب جاری تھا کہ مولانا مفتی محمود سامنے والے گیٹ سے اندر داخل ہوئے ۔ مولانا سید مودودی اسلامی جمعیت طلباء کے سالار اعلیٰ تھے اور مفتی محمود صاحب جمعیت طلباء اسلام کے قائد، معلوم نہیں یہ مفتی محمود صاحب کا ذاتی فعل تھا یا سوچا سمجھا منصوبہ تھا کہ وہ مقررین کے لیے مخصوص دروازہ چھوڑ کر سامنے والے گیٹ سے اپنے ہمراہیوں کے جلو میں تشریف لائے اور پھر عین اس وقت جب مولانا مودودی کا بیان ہو رہا تھا۔ مفتی صاحب کا ورود ایک زلزلے کی طرح ثابت ہوا۔ بادشاہی مسجد میں نعرے بازی شروع ہوگئی ۔ مولانا مودودی اس ماحول میں تقریر جاری نہ رکھ سکے اور اپنی لکھی ہوئی تقریر سٹیج کے حوالے کرکے بڑی شرافت کے ساتھ بغلی دروازے سے باہر نکل گئے اور مفتی صاحب سٹیج پر آگئے۔ اب نوجوان بے قابو ہوگئے اوران کی نعرہ بازی نے جلسہ درہم برہم کر ڈالا ۔ خطرہ تھا کہ افراتفری میں کہیں انسانی جانیں ضائع نہ ہونی شروع ہو جائیں۔اور یہ جلسہ ہنگامہ آرائی کی نذر ہو کر ناکام نہ ہو جائے۔ اس سے تحریک کی ساری کارروائی ضائع ہوسکتی ہے، آخری جلسہ اور وہ بھی بادشاہی مسجد کا اگر ناکام ہوگیا تو جانثاران ختم نبوت کو لینے کے دینے پڑجائیں گے ۔اس خطرے کا احساس کرتے ہوئے ،وقت کی نزاکت کو بھانپتے ہوئے بڑے بڑے خطیبوں نے مجمع کو خاموش کرانے کی کوشش کی۔ آغا شورش کاشمیری جیسے دبنگ خطیب نے بھی اپنی سی کوشش کر دیکھی لیکن مجمع کسی کے کنٹرول میں نہ آسکا۔ ایسے میں ایک ایسے نوجوان نے جلسے کی باگ ڈور اپنے ہاتھ میں لی اور بڑی بلند آہنگی کے ساتھ چند ایسے جملے بولے کہ پورا مجمع ان کی مٹھی میں آگیا۔اور خاموشی کی چادر تن گئی کہ جیسے یہاں کوئی ہے ہی نہیں۔لوگ اس نوجوان خطیب کا نام جاننا چاہتے تھے یہ تھے لاہور کی تاریخی مسجد چینیانوالی کے نوجوان خطیب اور مجاہد ملت آغا شورش کاشمیری کے دست راست علامہ احسان الٰہی ظہیر (شہید و مدفون جنت البقیع)۔ان کی خطابت کا طنطنہ اس قدر بلند آہنگ تھا کہ ہزاروں کے مجمع میں جیسے کوئی سانس نہیں لے رہا تھا۔ ہلچل پر قابو پالینے کے بعد (جس کی توقع بہت کم ہوگئی تھی) انہوں نے سٹیج سیکرٹری کے فرائض بھی خود سنبھال لیے۔ علامہ صاحب کسی بھی مقرر کی آمد کا اعلان کرتے تو ایسے الفاظ میں تعارف کراتے کہ عوام تو عوام، خود مقرر بھی چاہتا تھا کہ میری بجائے علامہ احسان الٰہی ظہیر ہی اپنا بیان جاری رکھیں۔اس دن علامہ احسان الٰہی کا ہی کارنامہ تھا کہ یہ جلسہ انہوں نے سنبھال لیا۔اور بعد کے مقررین کے خطاب کی راہ ہموار کی۔ حاضرین نے

بہت داد دی اس نوجوان قائد کو۔ جلسہ نہایت کامیابی کے ساتھ اختتام پذیر ہوا تو لوگ علامہ ظہیر سے ہاتھ ملانے کیلئے دیوانہ وار ٹوٹ پڑے ۔ آغا شورش کاشمیری تو پہلے ہی علامہ پر فخر کرنے والے تھے۔ وہ ہر جلسے میں ان کا پہلے تعارف کراتے کہ یہ وہ نوجوان ہے اردو جس کے ہاتھ کی چھڑی ہے ، عربی ان کے بازو کی گھڑی ہے وغیرہ وغیرہ لیکن اس روز تو آغا صاحب کی سرشاری دیکھی نہ جاتی تھی۔ مولانا شاہ احمد نورانی، مولانا یوسف بنوری اور دیگر قائدین تحریک انہیں گلے لگاتے رہے اور پیشانی کا بوسہ لیتے رہے ، گویا آج کے اجتماع کی کامیابی علامہ احسان الٰہی ظہیر کے نام لگادی۔ اگلے دن اخبارات میں جلسے کی ساری کارروائی شائع ہوئی اور مولانا مودودی کی پوری تقریر بھی جو نا تمام رہ گئی تھی شائع ہوئی۔ خلیل جبران کا ایک مقولہ ہے کہ اس نے ساحل سمندر پر اپنا نام کئی جگہ لکھا۔ اگلے دن اس نے آکر دیکھا تو پانی کی لہروں نے سب نام مٹادیے تھے صرف ایک اندھے کی لاٹھی کے نشان باقی تھے۔

علم کے ساتھ حلم بھی بڑھنا چاہیے

امام ابن قیم الجوزیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:
”انسان جوں جوں علم میں بڑھتا جاتا ہے اس کے جذبۂ رحمت ورافت میں بھی بڑھوتری ہوتی چلی جاتی ہے!“

سیدنا علی رضی اللہ عنہ

فقر میں صاحبِ نصاب علیؓ — معرفت کی کھلی کتاب علیؓ
چشمۂ فیضِ مصطفیٰؐ سے ہوا — عہدِ طفلی میں فیض یاب علیؓ
بسترِ مصطفیٰؐ، شب ہجرت — بے خطر اس پہ محوِ خواب علیؓ
عہدِ فتحِ مبین کا کاتب — بدر وخیبر میں کامیاب علیؓ
مصطفیٰؐ انتخابِ ربِ جلیل — مصطفیٰؐ کا ہے انتخاب علیؓ
آنکھ والا ہوا ہے لگوا کر — آنکھ پر آپؐ کا لعاب علیؓ
نور اس کا شعاعِ نورِ حضورؐ — آفتاب آپؐ کا، ماہتاب علیؓ
خصلتاً خاکسار وخاک نشیں — یوں ہوا ہے ابو تراب علیؓ
استعارہ ہے وہ شجاعت کا — ہے عدالت کی آب وتاب علیؓ
سر بلاغت وہاں جھکاتی ہے — کر رہا ہو جہاں خطاب علیؓ
قطرہ قطرہ گہر برستے ہیں — آب حکمت سے پُر سحاب علیؓ
پوچھنے والے پوچھتے جائیں — نہ کبھی ہو گا لاجواب علیؓ
گلشنِ مصطفیٰؐ کے پھول اصحاب — سارے پھولوں میں ہے گلاب علیؓ
رشکِ منزل ہے وہ مسافت بھی — جس میں ہو جائے ہم رکاب علیؓ
بے بدل مرد کار زارِ جہاد — منفرد صاحب کتاب علیؓ

خواجہ محمد عارف برمنگھم